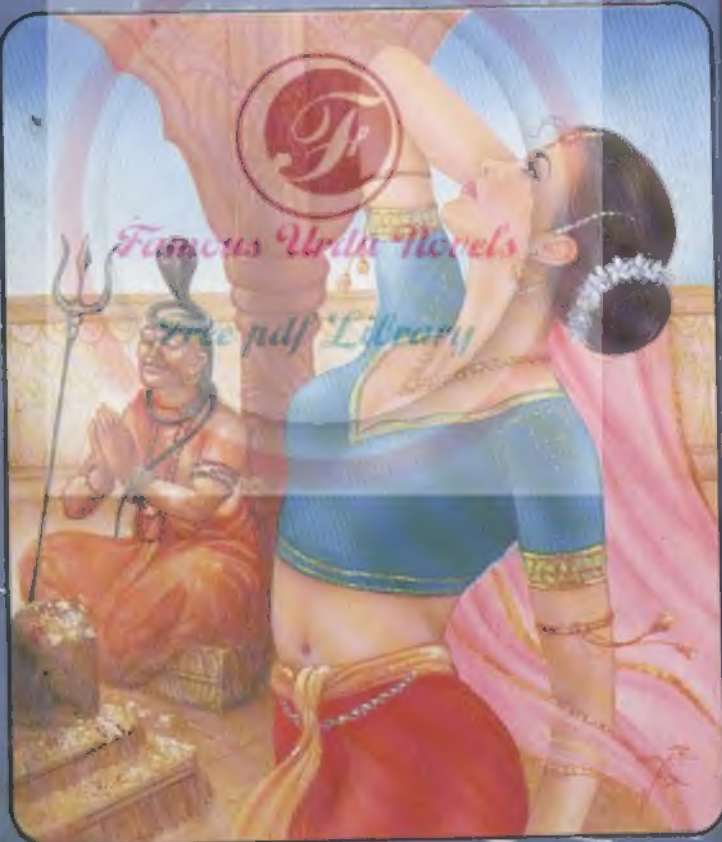
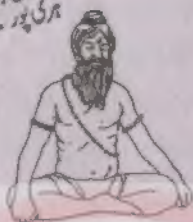


دلی کا پراسرار سادھو



ایہ جمید





پاکستانی جنگی قیدیوں کی ٹرین انڈیا میں داخل ہو گئی تھی۔

یہ سوشل ٹرین تھی۔ بلکہ دیش کے کری فولہ ویلجے شیشن سے چلی تھی اور راستے میں تمام شیشن چھوڑتی چلی آئی تھی۔ واپس میں پاک فوج کے جوان ایسی حالت میں بیٹھے تھے جیسے شیروں کو زنجیروں سے جکڑ دیا گیا ہو۔ ان میں سے کسی نے بھی ہتھیار نہیں ڈالے تھے ان سے زبردستی ہتھیار ڈالوائے گئے تھے۔

ایسا کیوں ہوا؟ اس شکست کا حقیقی ذمہ دار کون تھا؟ میں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ آج ملک کا کچھ بچہ جان گیا ہے کہ مشرقی پاکستان میں ہمارے لیڈروں اور سیاست دانوں نے کیا غلطیوں اور امہ کھیلنا تھا۔ دوسرے یہ میرا موضوع نہیں ہے۔ میں آپ کو پاک فوج کے شیروں جوانوں کی آپ جتنی پھر بھی سناؤں گا کہ وہ مشرقی پاکستان کے دور دراز دلدلی علاقوں میں انیس ہتھیاروں، سپلائی اور بدلی کے بغیر کیسے ہمت شکن حالات میں لڑا یا گیا۔ وہ آخری دم تک آخری گولی تک راشن پانی، گولہ بارود کے بغیر دشمن سے لڑتے رہے۔ شہید ہوتے رہے اور ان کی ہڈیاں مشرقی پاکستان کی مٹی میں مٹی ہو گئیں۔ یہ پاکستان کی تاریخ کی شاید سب سے الم انگیز داستان ہے۔ لیکن اس وقت یہ میرا موضوع نہیں ہے۔ اس وقت میں آپ کو صرف اپنی آپ جتنی اپنی داستان سنانے چاہا ہوں جو حیرت انگیز بھی ہے، المناک بھی ہے اور روٹنے کھڑے کر دینے والی بھی ہے۔

اس وقت جبکہ میں اپنی اس داستان عبرت کو قلمبند کرنے لگا ہوں تو تمام واقعات میری

خواتین کا ہمارے گھر میں آنا جانا تھا۔ میری بیوی حاجی صاحب کی بیوی کی بڑی بچی سیلی تھی۔ ان کا مکان ہمارے مکان کے ساتھ ہی تھا۔

میرا کاروبار ترقی کرنے لگا تھا۔ وقت بڑی خوش حالی اور سکون کے ساتھ گزر رہا تھا کہ مشرقی پاکستان میں سیاسی ہنگامے شروع ہو گئے۔ میں فوجی کمانڈ تھا مجھے سیاست سے نہ تو کوئی دلچسپی تھی اور نہ سیاست سے میرا کوئی سروکار تھا۔ مشرقی پاکستان کے اس زمانے کے سیاسی حالات سے آپ لوگ اچھی طرح واقف ہوں گے۔ روز جلوس نکلے۔ انکیشن شروع ہو گئے۔ بیب کی پارٹی عوامی لیگ انتخابات ہماری اکثریت سے جیت گئی۔ مجھے اتنا یاد ہے کہ اس زمانے کے پاکستان کے صدر یحییٰ خان نے اسمبلی کا اجلاس بلائے کا اعلان کر دیا۔ مشرقی پاکستان کے بنگالیوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی۔ انہیں علم تھا کہ اسمبلی کا اجلاس بلا دیا گیا تو بیب الرحمن وزیراعظم بن جائے گا۔ پھر اُنک بچی خان نے دوسرا اعلان کر دیا کہ اسمبلی کا اجلاس نہیں بلایا جائے گا۔ اس اعلان کے ساتھ ہی مشرقی پاکستان خاص طور پر ڈھاکہ شہر میں ہنگامے شروع ہو گئے۔ غیر بنگالیوں کے مکانوں کو آگ لگائی جانے لگی۔ ان کا قتل عام شروع ہو گیا۔ بیب الرحمن کی پارٹی عوامی لیگ نے علیحدہ ملک بننے کا اعلان کر دیا۔ میری اور میری بیوی کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ لیڈر لوگ عوام کو کس طرف لے جا رہے ہیں۔ لوٹ مار اور آتش زنی کے واقعات ہوسنے لگے۔

بیب الرحمن نے اعلان کر دیا کہ کوئی سرکاری ملازم دفتر میں نہیں جائے گا۔ محاسب کو گھر بیٹھے تنخواہ ملتی رہے گی۔ بنگالوں میں غیر بنگالیوں کے اکاؤنٹ منسٹر ہو گئے۔ انہیں صرف اتنی رعایت دی گئی کہ وہ ہفتے میں پانچ سو روپے تک کی رقم بیک سے لکھوا سکتے ہیں۔ ہر طرف لاقانونیت تھی۔ فوج نے امپورٹ کا نظم و نسق سنبھال لیا تھا۔ غیر بنگالیوں کو قتل کیا جا رہا تھا۔ ان کی بوسہ بیٹیوں کو اغوا کیا جا رہا تھا۔ لوگ مشرقی پاکستان سے نکلنے کے لیے انڈیا کی طرف بھاگ رہے تھے۔ فوج نے ابھی تک کوئی جوابی کارروائی شروع نہیں کی تھی۔ میری بیوی جیلے سخت خوف زدہ تھی۔ میں خود پریشان تھا۔ مگر محمد پور اور میرپور کی بستیوں میں چونکہ غیر بنگالیوں کی اکثریت تھی اس لیے وہاں حالات پر امن تھے۔

آنکھوں کے سامنے فلم کی طرح ناچنے لگے ہیں اور مجھے یقین نہیں آتا کہ یہ سب کچھ میرے ساتھ گزرا تھا اور میں ان حالات میں سے گزر چکا ہوں۔ آپ جب میری داستان سنیں گے یا پڑھیں گے تو آپ کو بھی یقین نہیں آئے گا۔ میں پاکستانی جنگی قیدیوں کے ساتھ ضرور سفر کر رہا تھا لیکن میں پاک فوج کی کسی رجمنٹ کا حاضر سروس عہدیدار نہیں تھا۔ میرا تعلق چند سال پہلے پاک آرمی سے ضرور تھا لیکن اب میں فوج سے رٹائر ہو چکا تھا۔ میرا خیال ہے کہ میں آپ کو اپنا مختصر سا تعارف کرا دوں تاکہ آپ کو یہ سمجھنے میں آسانی ہو جائے کہ میں جنگی قیدیوں کی ٹرین میں کیوں سفر کر رہا تھا۔ میں بھارت کا قیدی ضرور تھا مگر میں ریگولر پاک آرمی کا جوان نہیں تھا۔

میرا نام کرم داد ہے۔ میں پاک آرمی کی کمانڈ فورس میں تھا۔ ہماری رجمنٹ مشرقی پاکستان میں تھی۔ میں بھی اپنی رجمنٹ کے ساتھ ڈھاکہ مسجد بنی کی پارکوں میں رہتا تھا۔ تین برس پہلے میں نے پنجاب میں اپنے شہر میں آکر شادی کر لی اور پھر میں فوجی کوارٹروں میں رہنے لگا۔ دو برس کی بات ہے کہ فوجی مشینوں کے وہاں میں ایک اونٹنی چکے سے گر پڑا اور میری کمر میں چڑھ لگا گئی۔ فوجی ڈاکٹروں نے مجھے علاج کیا مگر کمر کی درد سے نجات نہ ملی۔ چنانچہ مجھے فوج سے رٹائر کر دیا گیا۔

میں ڈھاکہ میں تین برس سے رہ رہا تھا۔ وہاں مسلمان بنگالیوں سے بڑے اچھے تعلقات پیدا ہو گئے تھے۔ فوج سے سبکدوش ہونے کے بعد مجھے کراچی کی راقم کی تو میں نے ڈھاکہ میں ہی فرنیچر کی دکان کھول لی۔ ڈھاکہ شہر میری بیوی اور میری بیٹی کو بھی بہت پسند تھا۔ چنانچہ ہم نے اسی شہر میں کاروبار کا فیصلہ کر لیا۔ میری بیوی دس جماعتیں پاس تھی اور پنجاب کے ایک شہر کی رہنے والی خوش شکل خاتون تھی۔ ہمیں ایک دوسرے سے بڑی محبت تھی۔ میرے ایک گھر سے بنگالی دوست حاجی شمس الدین نے ایک بنگالی حکیم سے میرا علاج شروع کرا دیا۔ جس کے علاج سے مجھے کمر کی درد سے نجات مل گئی۔ ہم نے محمد پور میں ایک مکان کرائے پر لے رکھا تھا۔ مکان کے قریب ہی میری فرنیچر کی دکان تھی۔ حاجی شمس الدین کی کپڑے کی دکان میری دکان کے پاس ہی تھی۔ حاجی صاحب کی فیملی کی

آہرہ ریزی اور لوٹ مار شروع ہو گئی۔ کتنی ہائی والے محمد پور میں بھی داخل ہو گئے۔ اس روز میں محمد پور میں ہی اپنے ایک مسلمان محب وطن بنگالی دوست کے گھر حالات کے بارے میں معلوم کرنے گیا ہوا تھا کہ محمد پور کے بازاروں میں فائرنگ کے دھماکے ہونے لگے اور چیخ و پکار مچ گئی۔ میرے مسلمان بنگالی دوست نے کہا کہ میں وہیں رہوں اور باہر نہ جاؤں لیکن مجھے اپنی بیوی جیلہ کا خیال آ رہا تھا۔ خدا جانے وہ کس حالت میں ہوگی۔ میں اپنی جان کی پروا کیے بغیر بنگالی دوست کے مکان سے نکل کر گلیوں بازاروں میں چھپتا چھپاتا اپنے محلے میں پہنچ گیا۔ راستے میں میں نے جگہ جگہ ایسے لرزہ خیز منظر دیکھے کہ جن کو یاد کر کے آج بھی میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ کتنی ہائی والے ہاتھ فوجی درویشوں میں تھے۔ وہ ہمارے بچوں اور بچھانوں کو کمرے گھسیٹ گھسیٹ کر بازار میں لاتے۔ چارے پہلے ان کی آنکھیں نکالتے پھر چھوڑنے کے وار کر کے پتھر دی سے قتل کر دیتے۔

میں نے اپنی آنکھوں سے غیر بنگالی لوگوں کو دیکھا کہ انہیں کتنی ہائی والے اور ہندو بنگالی اغوا کر کے لے جا رہے تھے۔ وہ دروازوں سے رگم کی بجائے ناک دھکیں۔ میں سخت گھبرا ہوا تھا۔ مجھے اپنی بیوی کا خیال آ رہا تھا۔ میں بدحواسی کے عالم میں اپنے مکان کے پاس آیا تو دیکھا کہ میرے مکان کو آگ لگی ہوئی تھی۔ میں گھبرا کر اپنے دوست حاتی شمس الدین کے مکان کی طرف دوڑا۔ ان کا مکان بند پڑا تھا۔ گلی میں میرے جاننے والی کئی خانیوں اور بچھانوں کی لاشیں خون میں لت پت پڑی تھیں۔ مکانوں کا ٹوٹا پھوٹا سامان ادھر ادھر بکرا ہوا تھا۔ میں نے حاتی شمس الدین کے دروازے پر زور سے دستک دی۔ میں نے دیکھ لیا تھا کہ دروازہ اندر سے بند ہے۔ باہر تالہ نہیں لگا ہوا تھا۔ حاتی صاحب نے دروازہ کھولا۔ مجھے دیکھا تو گلے لگا کر بچوں کی طرح پھوٹ پڑے۔ میں نے اپنی بیوی جیلہ کے بارے میں پوچھا تو وہ مجھے کھینچ کر کمرے میں لے گئے۔ دروازے کو انہوں نے اندر سے جکڑ لگا دی۔ ان کی بیوی بچے وہاں پر نہیں تھے۔ حاتی صاحب پہلے تو یہی کہتے رہے کہ میری بیوی زندہ و سلامت ہے اور اسے انہوں نے اپنی فیملی کے ساتھ میر پور پانچا

اس کے باوجود میری بیوی کو جاتی شمس الدین کی فیملی نے اپنی حفاظت میں لے رکھا تھا۔ اس لوٹ مار اور قتل عام میں محب وطن مسلمان بنگالی شریک نہیں تھے۔ بھارت سے آئے ہوئے کتنی ہائی والے لوگ تھے جن کے ساتھ مشرقی پاکستان کے کچھ بنگالی طلباء بھی مل گئے تھے۔ کتنی ہائی والے بھارتی فوج کے ٹرینڈ گوریلے تھے جو سوئیس لباس میں لوٹ مار اور قتل و غارتگری کر رہے تھے۔

حالات خراب سے خراب تر ہوتے گئے۔ غیر بنگالی جو چائیں بچا کر ان پورٹ کی طرف بھاگ رہے تھے انہیں راستے میں ہی پکڑ کر قتل کر دیا جاتا اور ان کی ہوشیوں کو اغوا کر لیا جاتا۔ جب حالات قابو سے باہر ہو گئے تو فوج نے کاروائی شروع کر دی۔ مجھے ابھی طرح یاد ہے کہ ۲۵ مارچ ۱۹۷۱ء کی تاریخ تھی۔ حالت کا ایک بڑا دھماکا بڑے زور کا دھماکا ہوا۔ دھماکا شہر لڑا تھا۔ جب پاکستانی آدمی میدان میں آ گئے تو شریک دہشت گرد کتنی ہائی والے بھارت کی طرف بھاگ گئے۔ شہر میں امن و امان بحال ہونے لگا۔ میں نے بھی دوبارہ اپنا کاروبار شروع کر دیا۔ لیکن یہ امن عارضی ثابت ہوا۔ بھارت نے پوری جنگی تیاریاں کر رکھی تھیں۔ اس بار کتنی ہائی والے مشرقی پاکستان میں داخل ہوئے تو ان میں بھارتی کمانڈو فورس بھی بنگالی شہریوں کے لباس میں تھی۔ انہیں انڈین آدمی کی مدد حاصل تھی جو سرحدوں پر گولہ باری کر رہی تھی۔ یہ سب کچھ کیسے ہوا؟ اس چٹی اور عبرت انگیز شکست کا ذمے دار کون تھا؟ یہ وہ سوال ہیں جو ہر محب وطن پاکستانی کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں، لیکن کسی کو ان کا جواب نہیں ملتا۔ مجھے خود معلوم نہیں کہ یہ سب کچھ کیسے ہو گیا۔ آپ پڑھے لکھے ہیں شاید آپ کو معلوم ہو۔ بہر حال مشرقی پاکستان پر بھارت نے ہاتھ دھمکہ کر دیا۔ مغربی پاکستان میں بھی جنگ چھڑ گئی۔ ہم لوگ محمد پور میں محبوس ہو کر رہ گئے۔ روز بوی بوی خبریں آنے لگیں۔

پھر وہ منحوس دن بھی آ گیا جب مشرقی پاکستان بنگلہ دیش بن گیا۔ فوج سے زبردستی ہتھیار ڈالوا دیے گئے اور ہماری ہمدرد فوج کے خود دار جوان بھارت کے جنگی قیدی بنا دیے گئے۔ اس کے ساتھ ہی مشرقی پاکستان بنگلہ دیش میں بوسے بنانے پر غیر بنگالیوں کا قتل عام

دیا ہے لیکن ان کا چہرہ تار تار تھا کہ بات کچھ دور ہی ہے۔

میں نے حاتی صاحب کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر کہا۔

”حاتی صاحب! آپ کو خدا پاک کی قسم ہے، مجھے صاف صاف بتائیے کہ میری بیوی کہاں ہے؟“

حاتی صاحب کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ انہوں نے بتایا کہ کتنی باپنی والے میرے مکان میں داخل ہو گئے تھے۔ انہوں نے میرے مکان کو لوٹ کر آگ لگا دی اور میری بیوی جیلہ کو اٹھا کر لے گئے ہیں۔ مجھ پر پیسے آسمان پھٹ پڑا۔ میری آنکھوں کے آگے ایک پل کے لیے بالکل اندھیرا چھا گیا۔ حاتی صاحب مجھے حوصلہ دینے لگے۔

”کرم دارا کھراؤ نہیں۔ میں قسمی بیوی کو ضرور واپس لے آؤں گا۔ کتنی باپنی والوں میں وہ آدمیوں کو میں اپنی طرح جانتا ہوں۔ وہ بھانسی کو جہاں بھی لے گئے ہوں گے میں وہاں سے اسے لے آؤں گا۔ تم مجھے تھوڑا وقت دے دو فکر نہ کرو۔“

اس وقت شام ہونے والی تھی۔ وہ میری زندگی کی سب سے اذیت ناک شام تھی۔ جب یہ خیال آتا کہ کتنی باپنی والے ہندو میری بیوی کے ساتھ کیا سلوک کر رہے ہوں گے تو میں گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوتا۔ کبھی دو آدمیوں پر کئے مارتا، کبھی اپنے سر کو پکڑ لیتا۔ میرا مسلمان بنگالی دوست حاتی جس مجھے باہر کھلی دھاک دے رہا تھا کہ وہ میری بیوی کو واپس لے آئے گا۔ لیکن میری دنیا بڑھ گئی تھی۔ اگر وہ مجھے یہ خبر سنا کہ کتنی باپنی والے میری بیوی کو قتل کر گئے ہیں تو مجھے مبرا آ جاتا۔ میں ہی جانتا ہوں کہ میں نے وہ رات کس اذیت کے ساتھ جاگ جاگ کر گزار دی۔ صبح ہو گئی۔ شہر میں غمزدہ چھا تھا۔ کسی پنجابی پٹھان یا بھاری کا گھر سے باہر لگانا موت کو دعوت دینے کے برابر تھا۔ محمد پور میں بھی قیامت برپا تھی۔ کتنی باپنی نے میر پور اور محمد پور کی دونوں غیر بنگالی بستیوں کے مکان لوٹ کر وہاں کے سینکڑوں مسلمان بھاریوں، پنجابیوں اور پٹھانوں کو قتل کر دیا تھا اور ان کی بوسہ بیٹیوں کو اٹھا کر لے گئے تھے۔

میں نے حاتی جس سے کہا۔

”دوست! اگر تم ان لوگوں کو جانتے ہو جو میری بیوی کو اغوا کر کے لے گئے ہیں تو مجھے ان کا کچھ اندازہ بتا دو۔ میں خود اپنی بیوی کو تلاش کر لوں گا۔“

پہلے وہ میرے اکیلا باہر جانے پر تیار نہ ہوا۔ جب میں نے اسے کہا کہ اگر اسی نے مجھے ان لوگوں کا پتہ نہ بتایا تو میں خود ہی ان کی تلاش میں نکل جاؤں گا تو اس نے مجھے ان دونوں ہندو بنگالیوں کا پتہ بتا دیا جو کتنی باپنی والوں کے ساتھ میرے گھر میں آئے تھے اور میری بیوی کو اٹھا کر لے گئے تھے۔ میں بنگلہ زبان بول اور مجھے لیتا تھا۔ اگرچہ میرا لہجہ پنجابی تھا۔ میرا لباس بنگالی ہی ہوتا تھا۔ جب میں جان بھرتی پر رکھ کر اس کے مکان سے نکلنے لگا تو حاتی جس الدین نے مجھے بازو سے پکڑ کر اپنے پاس بٹھالیا اور بڑی درد مندی سے کہنے لگا۔

”کرم دارا تم میرے دوست ہی نہیں بھائی بھی ہو۔ قسمی بیوی جیلہ میری بھانجی ہی تھیں میری بہن بھی ہے۔ جہین کو تم غم پور سے نکلنے کے بعد زندہ نہ بچ سکو گے۔ میرا جیس میں مشورہ ہے کہ مجھے ایک دن کا موقع ملے کہ میں جیلہ بہن کا اپنے طور پر کھوج لگا سکوں۔ اس کے بعد تم بے شک بچے جاؤ۔“

میرے ہوش و حواس کسی حد تک واپس آ چکے تھے۔ سوچنے لگا حاتی صاحب ٹھیک کہتے ہیں۔ میں بنگالی نہیں ہوں اور میں نے ان لوگوں کو دیکھا تک بھی نہیں بہتر ہے کہ میں حاتی صاحب کی بات مان لوں چنانچہ میں رک ٹیلا۔ لیکن حاتی جس سے کہا۔

”حاتی بھائی! مجھ سے ایک وعدہ کرو کہ تم جو کچھ بھی معلوم کرو گے مجھے صاف صاف بیان کر دو گے۔ میرے آگے جھوٹ نہیں بولو گے۔“

حاتی جس کہنے لگا۔

”میں وعدہ کرتا ہوں۔“

حاتی جس الدین ایک تو بنگالی تھا اور مشرقی پاکستان کا ہی رہنے والا تھا۔ اس کے ہندو بنگالیوں سے بھی دیرینہ مراسم تھے اور بہت لوگ اسے جانتے اور اس کا احترام کرتے تھے۔ حاتی جس نے مجھے اپنے مکان میں ہی چھپے رہنے کی ہدایت کی اور خود دوپہر کے بعد نکل

ہمارے والے مکان میں آگئی تھیں مگر بد قسمتی سے اس وقت کچھ ضروری سامان وہاں سے نکلنے اپنے مکان میں چلی گئی تھیں۔

میرا دل غم سے بو جھل ہو رہا تھا۔ جیلہ کے تصور ہی سے دل ڈوبنے لگتا تھا۔ کبھی ایک دم خن کھول لیتا اور جی چاہتا کہ ابھی یہاں سے نکل کر دشمنوں پر ٹوٹ پڑوں اور جنٹوں نے میری بیوی کو اغوا کیا ہے ان میں سے کسی کو بھی زندہ نہ چھوڑوں۔ مگر میرے ہاتھ بے پناہ دیے گئے تھے۔ میں مجبور ہو چکا تھا۔ میں نے بوڑھے بنگلے سے پوچھا۔

”تمہارے خیال میں یہ لوگ میری بیوی کو کہاں لے گئے ہوں گے؟“

شرف نے سر دھڑک کر کہا۔

”باہو میاں قیام شرقی پاکستان پر تو قیامت لوٹ پڑی ہے۔ ایک نہیں ہزاروں ہونٹیاں اغوا ہو گئی ہیں۔ میرا راور گھر پورا کا تو شہر ہی آگ لگی ہے۔ بنگالی مسلمان گھر ہو گا جہاں سے کوئی عورت اغوا ہوئی ہو۔ بازار میں ایک گوی کہ رہا تھا کہ کتنی ہانپی والے ان عورتوں کو اغوا کر کے بھارت کے شہر کلکتہ میں لے گئے ہیں جہاں انہیں فروخت کر دیں گے۔“

میرے دل پر جیسے کسی نے گور سے منکا مار دیا تھا۔ میں آنکھیں بند کر کے اپنے دل کو سمیٹ کر وہیں بیٹھا رہا۔ کیا میری بیوی جیلہ کو بھی کلکتے کی تیرا منڈی میں فروخت کر دیا جائے گا؟ میرے اللہ! میرے دل سے ابلیسی کی جی کل گئی اور میں آگھوں پر ہاتھ رکھ کر بچوں کی طرح ہلکے ہلکے کر رونے لگا۔ شرف مجھے حوصلہ دینے لگا۔

”باہو میاں! حلتی صاحب بھابی کا سراغ لگائیں گے۔ تم دیکھ لینا۔ جیلہ بھابی ضرور واپس آ جائے گی۔“

میں دیر تک چارپائی پر بیٹھا روتا رہا۔ رونے سے دل کا غبار کچھ ہلکا ہو گیا تھا۔ میں نے شرف سے کہا۔

”اللہ کرے اللہ کرے۔“

اس رات حلتی شمس الدین واپس نہ آیا۔ دوسرے دن کوئی گیارہ بجے وہ جب واپس آ گیا میں دیوانوں کی طرح اسے سنبھالنے لگا۔ اس نے میرے کانڈھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

”میکہ! مگر میں اس کا ایک ہی مسلمان بنگلے ملازم شرف تھا۔ اس کے اپنے بیوی بچوں کو اس نے کاکڑ میں اپنی بیوی بہن کے ہاں بھجوا دیا تھا۔ میں اس کے مکان کے ایک کمرے میں چھپ کر بیٹھا تھا۔ بنگلے ملازم شرف نے شام کو چائے بنا کر دی اور بتایا کہ گھر پور میں بھی بھارتی فوجی آگئے ہیں اور گھروں کی تلاش لے رہے ہیں۔ میں نے اسی سے پوچھا کہ وہ گھروں کی تلاش کیوں لے رہے ہیں۔ شرف کہنے لگا۔

”ان کا خیال ہے کہ پاکستانی فوج کے کچھ سپاہی یہاں فرار ہو کر چھپے ہوئے ہیں۔ وہ ان کو تلاش کر رہے ہیں۔“

اس نے یہ بھی بتایا کہ شہر میں ہر طرف انڈین آرمی نظر آ رہی ہے اور پاک فوج کی پلٹنوں سے ہتھیار واپس لے کر انہیں قیدی بنا کر لے جانے لگا ہے۔ یہ ایک الگ جان لیوا اصول تھا میرے لیے۔ شرف نے یہ بھی بتایا کہ پاک فوج ابھی تک کچھ محاذوں پر لڑ رہی ہے اور ان ہزاروں نے ہتھیار نہیں ڈالے۔

مسلمان بنگلے ملازم شرف بھی حیران اور غم زدہ تھا۔ بار بار کہتا۔

”باہو میاں! ہمارے بیٹوں نے ہمیں مراد دیا ہے۔ پاک فوج کے خلاف پاکستان کے خلاف بڑی گستاخی سازش ہوئی ہے۔ میں خود بھارتی فوجیوں کو یہ کہتے سنا ہے کہ ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ پاکستان آرمی ہتھیار ڈال دے گی۔ ہمیں ابھی تک یقین نہیں آ رہا۔“

میں نے شرف سے پوچھا۔

”شرف! جب کتنی ہانپی والے میری بیوی کو اغوا کر کے لے گئے تو کیا تم نے انہیں دیکھا تھا؟“

شرف بولا۔

”باہو میاں! میں وہاں نہیں تھا۔ ہمارے حلتی صاحب اس وقت وہاں تھے۔ جب کتنی ہانپی والوں نے آپ کے مکان کو آگ لگائی تو حلتی صاحب اس طرف دوڑے تھے کہ بھابی صاحبہ کو وہاں سے نکال کر لے آئیں۔ مگر اس وقت تک دیر ہو چکی تھی۔ بی بی جی تو

میں نے کہا۔

"میں موت سے نہیں ڈرتا" صرف خدا سے ڈرتا ہوں۔ اگر اپنی بیوی کی تلاش میں مجھے موت بھی آگئی تو وہ غیرت اور عزت کی موت ہوگی۔ میں یہاں بے غیرت بن کر بیٹھا نہیں رہوں گا۔"

حالی صاحب نے مشورہ دیا کہ مجھے ڈھاکہ سے بوگرا کی طرف جانا چاہیے۔ وہاں اہل کے مقام سے میں بھارت میں داخل ہو سکتا ہوں۔

"چونکہ ابھی بھارت کی فوجیں آجاری تھیں اور لوگ بھی آتے جاتے رہتے ہیں اس لیے ہزاروں کوئی چیکنگ پوسٹ نہیں ہے۔"

ریل گاڑی کی آمد و رفت شروع ہو گئی تھی مگر اس میں کوئی پنجابی، پٹنن سفر نہیں کرتا تھا۔ ہندو اور بھارتی کتنی ہائی والے راستے میں انہیں قتل کر دیتے تھے۔ لیکن مجھے اپنی جان کی پروا نہیں تھی، صرف مجھے سوچ سمجھ سے کام لینے کی ضرورت تھی۔ میں نے اپنے جذبات پر بہت حد تک قابو پایا تھا اور ایک تربیت یافتہ کمانڈر بن کر ڈھاکہ سے نکلنے کی طرف فرار کا منصوبہ بنایا تھا۔ حالی صاحب نے بھی بھارتی کوئی دے دی۔ یہ کوئی چھ سات ہزار روپے ہوں گے۔ میں نے اپنا حلیہ ہندو پنجابیوں والا بنایا اور رات کے نو بجے مجھ پر سے نکل کر ایک ریکشا یا اور ڈھاکہ ریل کے سٹیشن کی طرف چل پڑا۔ میرے پاس کوئی اتھیار وغیرہ نہیں تھا۔ ڈھاکہ کے بازار رات کے وقت تقریباً خالی پڑے تھے۔ پنجابیوں کی دکانیں ٹوٹی ہوئی تھیں۔ بڑی بڑی دکانیں کھلی تھیں۔ بھارتی فوجی گھوم پھر رہے تھے۔ میرا کشا ریلوے سٹیشن پہنچ گیا۔

سٹیشن پر کئی رش تھا۔ سب بنگال تھے۔ کسی پنجابی، پٹنن کی شکل نظر نہیں آ رہی تھی۔ سٹیشن پر جگہ جگہ بگھ دیش کے جمنڈے لہا رہے تھے۔ میں نے بہادر گھاٹ نام کے سٹیشن کا ٹکٹ لے لیا۔ بہادر گھاٹ سے مجھے دریا پار کر کے بوگرا جانا تھا اور وہاں سے اہل زیادہ دور نہیں تھا۔ وہاں سے آگے اٹریا کا پاڑ شروع ہو جاتا تھا۔ میرا قہہ کاٹھ ضرور پنجابیوں والا تھا مگر رنگ زیادہ گورا نہیں تھا جس کی وجہ سے کسی نے میری طرف توجہ نہ

"کرم دادا تم نے مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ میں جموٹ نہیں پولوں گا۔ جو کچھ مجھے معلوم ہو گا وہ اسی طرح تمہیں بیان کر دوں گا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ جیلہ بھابھی کو کتنی ہائی کے لوگ دوسری اغوا کی ہوئی لڑکیوں کے ساتھ لکھتے لے گئے ہیں۔ مجھے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ ان بد قسمت غیر بنگالی عورتوں کو ان لوگوں نے لکھتے میں کس جگہ رکھا ہوا ہے اور اگر انہیں بچ دیا ہے تو کہاں کہاں بچا ہے۔ اس کا کھوج تمہیں ان دو بنگالیوں سے لگ سکتا ہے جن کو میں جانتا ہوں۔ ان میں سے ایک کا نام دھرمو ہے، دوسرے کا نام کھیا ہے۔ یہ دونوں ہندو بنگالی ہیں۔ ان میں سے کھیا کے لکھنے والے لکھنے کا مجھے پتہ ہے۔ اگر تم گورا کر دو تو کسی طرح کھیا کے لکھنے پر پہنچ کر تمہیں جیلہ بھابھی کا سراغ مل سکتا ہے۔"

میں بے جان پتھر کے بت کی طرح حالی صاحب کے سامنے بیٹھا تھا۔ میرے بدن کے اندر جیسے جوالا کبھی پھٹ رہے تھے۔ مگر میں کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ میں پتھر ہو گیا تھا۔ میں نے حالی صاحب سے کہا۔

"مجھے ہندو بنگالی کھیا کا لکھنے کا ایڈریس دے دیں۔"

حالی صاحب نے مجھے ایک کانڈ پر کھیا کا ایڈریس لکھ کر دے دیا۔ کہنے لگے۔

"کرم دادا میں اپنے آپ کو کبھی متلاف نہیں کر سکوں گا کہ میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکا۔"

میں نے کہا۔

"حالی صاحب! آپ نے میرے لیے جو کچھ بھی کیا ہے اس کے لیے میں آپ کا شکر گزار ہوں۔ میں آج شام اندھیرا ہوئے ہی چلا جاؤں گا جیلہ کو ہندو بنگالی درندوں سے نجات دلانے کے لیے مجھ سے جو ہو سکا کر لیں گا۔"

حالی صاحب نے کہا۔

"تم کہاں سے بازو کر اس کر دے؟ تمہارا قہہ کاٹھ اور رنگ روپ ایسا ہے کہ فوراً پہچانے جاؤ گے کہ پنجابی ہو۔ ڈھاکہ سے لے کر لکھنے تک کتنی ہائی والے غیر بنگالیوں کا قتل عام کر رہے ہیں۔"

پاک آری سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں ڈھاکے میں فرنیچر کا کاروبار کرتا تھا۔ میری دکان جلا دی گئی ہے۔ میں کئی باہنی والوں کے خوف سے جان بچا کر انڈیا جا رہا ہوں۔ مگر کچھ کمیشن نے میری ایک سنی اور بھارتی صوبیدار کو اشارہ کیا جو مجھے کھینچتا ہوا باہر لے گیا۔ شیش پر ہی ایک طرف عارضی فوجی کواٹر گاڑ دی ہوئی تھی۔ مجھے اسی کی حوالات میں بند کر دیا گیا۔

حالات نے ایک نکتہ پہنچا دیا تھا اور میرے راستے میں جیسے آہنی دیوار کھڑی کر دی تھی۔ میں کسی حالت میں بھی جنگی قیدی بن کر بھارت کی قید میں نہیں جانا چاہتا تھا۔ لیکن مجھے جنگی قیدی بن کر کواٹر گاڑ دیں۔ بند کر دیا گیا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اب مجھے سب سے پہلے بھارت کے جنگی کیمپ سے فرار ہونا تھا جو سخت مشکل اور دیر لگنے والا کام تھا اور اس کے بعد اپنی بیوی کی تلاش میں لگنے والی آ تھا۔

میرا دلخ ایک لمحہ کے لیے سن ہو کر رہ گیا۔ کچھ لمحہ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں۔ فوجی کواٹر گاڑ سے فرار ہونا کوئی آسان کام نہیں ہو سکتا تھا۔ مجھے کچھ معلوم نہیں تھا کہ یہاں سے جنگی قیدیوں کی گاڑی میں بٹھا کر مجھے دوسرے قیدیوں کے ساتھ بھارت کے کون سے شہر کے قیدی کیمپ میں لے جایا جائے گا۔ ظاہر ہے قیدی کیمپ میں بیٹھ کر کوئی کام نہ کر سکتے تھے۔ انہیں ہنگامہ کھل میں ملی سے آگے بٹھک دینا کا پورا کرنا اس کے آسانی سے بھارت میں داخل ہو کر کھائے پہنچ سکتا تھا اور کہیں اب میرے سامنے ایک پناہ آ کر کھڑا ہو گیا تھا جس کو عبور کرنا میرے لیے تقریباً ناممکن تھا۔ عام حالات میں اگر مجھے بھارت کے کسی جنگی کیمپ میں قید کر دیا جاتا تو میں وہاں سے فرار ہونے کی کوشش کر سکتا تھا اور ایک کامیاب فرار ہونے کی وجہ سے میں اس کوشش میں کامیاب بھی ہو سکتا تھا مگر اس آپریشن میں کافی وقت لگتا تھا اور میرے پاس وقت نہیں تھا۔ کچھ پتہ نہیں تھا کہ اس دوران میری برصیب بیوی کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا جائے اور وہ میری پہنچ سے دور ہو جائے۔ انڈیا بڑا وسیع ملک تھا۔ ایک خاص مدت گزر جانے کے بعد میرے لیے جیلہ کو تلاش کرنا ناممکن ہو سکتا تھا۔

اس کے ساتھ ہی میں نے جب میں ہاتھ ڈال کر کہا۔
"میرے پاس چار ہزار روپے ہیں۔ وہ آپ لے لیں اور مجھے انڈیا کا پورا کرنا کرنے دیں۔"

بھارتی صوبیدار بیچر مجھے گھور کر گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا شاید اس نے مجھے میرے قدامت اور بولنے کے انداز سے پہچان لیا تھا کہ میں کوئی کاروباری بنگالی نہیں ہوں۔
"تم مجھے پاکستانی آری کے جوان لگتے ہو۔ تمہاری رجسٹر کون سی تھی۔ تمہارا ریکرڈ کیا ہے۔"

میں نے اس کو ہر طرح سے قائل کرنے کی کوشش کی کہ میرا پاکستان آری سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں نے اس کی سخت سہجست بھی کی۔ مگر وہ یہی کہتا رہا کہ میں پاک آری کا جوان ہوں اور وہ مجھے جنگی قیدی بنا کر ساتھ لے جائے گا۔ اس نے مجھ سے میری ساری بھارتی کرنسی بھی چھین لی اور اپنے فوجیوں کو آڈر دیا کہ میرے ہاتھ باندھ دیے جائیں۔ اگر ہم کسی جنگل میں ہوتے تو میں ان خیلوں میں بھارتی فوجیوں کا صرف مقابلہ ہی نہیں کر سکتا تھا بلکہ ایک مائتروسی حیثیت سے ان خیلوں کو پکارت بھی کر سکتا تھا لیکن وہاں آس پاس بھارتی فوجی موجود تھے۔ میں بے بس تھا۔ میں نے بہت شور مچایا کہ میں پاکستانی فوجی نہیں ہوں۔ بنگالی دکاندار ہوں۔ مگر میرے ہاتھ پیچھے باندھ دیے گئے اور بھارتی فوجی مجھے لے کر شیش پر بھارتی کمپنی کے ہیڈ کواٹر میں لے آئے۔ یہاں ایک کچھ کمیشن تھا۔ وہ سر جھکائے ایک قائل پر کچھ لکھ رہا تھا۔ بھارتی صوبیدار بیچر نے سیلوٹ مار کر مجھے پیش کر دیا۔

"سرا یہ پاکستانی فوج کا جوان ہے۔ سولین کپڑوں میں فرار ہو رہا تھا۔"
کچھ کمیشن نے چہرہ اوپر اٹھا کر میری طرف دیکھا اور صوبیدار بیچر سے کہا۔
"تم اس کو میرے پاس کیوں لے آیا ہے۔ اس کو کواٹر گاڑ دیں۔ بند کر دو۔ جنگی قیدیوں کی گاڑی آئے تو اس میں ہٹا کر روانہ کر دو۔"
میں نے وہاں کافی شور مچایا اور کچھ کمیشن کو بنگالی میں سمجھانے کی کوشش کی کہ میرا

اب میں اپنی لرزہ خیز داستان کو اس مقام پر واپس لانا ہوں جہاں سے میں نے سفر شروع کیا تھا۔ یعنی میں پاکستانی جنگی قیدیوں کی ٹرین میں قیدی بن کر بیٹھا تھا اور ٹرین بنگلہ دیش کا پلڑ کر اس کر کے انڈیا کی سرزمین میں داخل ہو گئی تھی۔ اس دوران ایک دن اور ایک رات سفر کرتے گزر گئی۔ پاک فوج کے جوان میرے آس پاس اور سامنے بیٹھے تھے۔ ان سے تھوڑی بے تکلفی سی ہو گئی تھی۔ مگر اس دوران میں نے کسی جوان کے چہرے پر مسکراہٹ نہیں دیکھی تھی۔ ان کے چہروں پر غیض و غضب کے اثرات تھے۔ صاف لگ رہا تھا کہ ان کے ہاتھوں سے ذہن دہشت گردی جیمن کر انہیں بے بسی اور سخت بھوری کی حالت میں بھارت کی قید میں ڈال دیا گیا تھا۔ وہ آہیں میں زیادہ بات چیت بھی نہیں کر رہے تھے۔ میرے ساتھ دو تین جوانوں کی جو بے تکلفی ہو گئی تھی کہ وہ میری بات کا ہاں یا نہ میں جواب دے رہے تھے۔ جب میں نے انہیں اپنی اصل دروازہ عالم سنا تو ان پر بڑا شدید اثر ہوا۔ ایک جوان نے گلی دے کر کہا

"ان لوگوں نے ہم سب کو ماریا ہے۔"

خدا جانے اس جوان نے کس کو گالی دی تھی۔ میں خاموش رہا تھا کیونکہ مجھے سیاست کی کچھ سمجھ نہیں تھی۔ جس طرح پاک فوج کے دوسرے جوان سیاسی لیڈروں کی سازشوں اور جوڑو توڑے بے خبر تھے۔ مجھے اپنی مصیبت پڑی ہوئی تھی۔ میں ٹرین سے چھٹا لگ لگا کر بھاگ جانا چاہتا تھا اور ٹرین نکلنے سے دور ہوتی جا رہی تھی۔ مجھے نکلنے جانا تھا۔ میں نے اپنے ساتھ والے جوان پر جب اپنے دل کا حال ظاہر کیا تو وہ آہستہ سے کہنے لگا

"ٹرین کی کھڑکیوں پر تختے ٹھوک دیے گئے ہیں۔ ڈبے کا ایک دروازہ بھی بند ہے۔ دوسرے دروازے پر بھارتی گارڈ موجود ہے۔ نکل سکتے ہو تو نکل جاؤ۔ آگے کچھ پتہ نہیں ہمیں کس شہر کے جنگی کیمپ میں لے جایا جائے۔"

ٹرین کی ہر لہری کی دونوں جانب بھارتی فوجیوں کے ڈبے لگے ہوئے تھے۔ دن کا وقت تھا۔ راستے میں ایک جگہ ٹرین کسی چھوٹے سے شیش پر کھڑی ہوئی تو باہر فوجیوں کے

شام کے وقت مجھے فوجی کو اڑ گاڑ سے نکل کر تین مسلح بھارتی سپاہی میرے ہاتھ پکچے باندھے ساتھ لے کر شیش پر گئے۔ تھوڑی دیر میں وہاں پاکستانی جنگی قیدیوں کی ایک ٹرین آکر کھڑی ہو گئی۔ ٹرین کے ڈبوں کی کھڑکیاں بند تھیں۔ اندر کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ دروازوں پر بھارتی فوجی پہرہ دے رہے تھے۔ میرے ہاتھ کھول کر مجھے ایک ڈبے میں دھکیل دیا گیا اور بھارتی گارڈ سے کہہ دیا گیا کہ میں پاک فوج کی کسی رجمنٹ کا جوان ہوں اور سوئٹین کپڑوں میں فرار ہو رہا تھا۔ میں نے ڈبے میں دیکھا ڈبہ پاکستانی فوجی جوانوں سے بھرا ہوا تھا۔ جوانوں کے چہروں پر ایک باوقار سکوت طاری تھا۔ ان کی آنکھوں میں بجلی سی چمک رہی تھی۔ لگا تھا جیسے وہ کون فوجیوں میں بیکر کر ڈبے میں بند کر دیا گیا ہے۔ سب فوجی دردوں میں تھے۔ میرے کسی بھائی کی کسی جوان کے کانٹے پر نہیں تھی۔ وہاں صرف میں سوئٹین کپڑوں میں تھا۔ ٹرین ایک دو منٹ کے لیے رکی تھی۔ اس کے بعد وہاں سے چل پڑی۔ میں ایک جگہ بیٹھ گیا۔ جب ٹرین کٹنی آگے نکل گئی تو پاکستانی فوج کے ایک قیدی جوان نے مجھے پوچھا

"تمہارا تعلق کس رجمنٹ سے ہے؟ تمہارا ریک کیا ہے؟"

میں نے کہا

"بھائی جی بات یہ ہے کہ میں پاکستانی آرمی کالجی خاندان ہوں۔ فوج سے رٹائر ہو کر وصال کے میں فریئر کا کاروبار کرتا تھا۔ کتنی اپنی دلوں نے میرے مکان اور دکان کو آگ لگا دی۔ میں جان بچا کر بھائی کی طرف بھاگ نکلا کہ پلڑ کر اس کر کے انڈیا پہنچ جاؤں گا۔ مگر بھارتی فوجیوں نے مجھے پاک آرمی کا جوان سمجھ کر پکڑ لیا اور اب جنگی قیدی بنا رہا ہے۔"

کسی نے میری طرف زیادہ توجہ نہ دی۔ سب غم زدہ خاموش چہرے لیے سر جھکا کر بیٹھے رہے۔ جس جوان نے مجھ سے سوال پوچھا تھا وہ بھی میرا جواب سن کر خاموش رہا۔ ٹرین کٹنی رفتار سے دوڑی جا رہی تھی۔ یہ جنگی قیدیوں کی شیش ٹرین تھی۔ بن وان کے شیش پر کسی خاص وجہ سے ٹرین تھوڑی دیر کے لیے رک گئی تھی۔ اس کے بعد وہ دن ختم ہو چکی تھی۔

اپنے ساتھ بروان لے گئی ہے۔"

"یہ عورت کون تھی؟" میں نے خشکیوں پر زبان پھیرتے ہوئے پوچھا۔ حاتی فرید

احمد نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"میں تو اسے نہیں جانتا لیکن کھیا نے میرے آدمی کو یہی بتایا ہے کہ کلاوٹی بروان

سے آئی تھی۔ اس نے کئی باہنی کے ایجنٹ سے تمہاری بیوی جمیلہ کا سودا چکایا اور اسے

ساتھ لے کر واپس بروان چلی گئی۔"

میں نے حاتی صاحب سے پوچھا۔

"اسے جس نے اس کو بتا دیا ہے وہ کون ہے؟"

حاتی

حاتی صاحب بولے۔

"میرے آدمی نے خاص طور پر یہ سواں طیارہ پوچھا تھا۔ جس کے جواب میں اس

طیارے میں دو آدمی تھے۔ ایک نام تھا جی۔

میں سوچ رہا تھا کہ کیا یہ وہی آدمی ہے جس نے ہمارے دفتر میں مدت

چند دن پہلے ہی ہمیں سزا سنائی تھی۔ مگر میں نے اس کا نام نہیں یاد کیا۔

تو

میں نے نام نہاد آدمی سے پوچھا کہ وہ کون سا آدمی ہے۔

گو اس نے بتا دیا کہ وہ ایک نامور شخص ہے۔

حاتی صاحب نے

"میں جنہیں اس کا مشورہ نہیں دوں گا۔ لیکن تم اپنی تسلی ضرور کرنا چاہتے ہو تو میں

جنہیں کھیا کا اڈہ بتا دیتا ہوں۔ وہاں جا کر تم اسے مل لو۔ لیکن تم شریف آدمی ہو اور وہاں

بھی جرائم پیشہ لوگ ہوتے ہیں۔ وہاں شراب بھی کبھی ہے اور برے کردار کی عورتیں

بھی آتی جاتی ہیں۔"

میں نے کہا۔

"آپ مجھے کھیا کے اڈے کا پتہ بتادیں میں ایک بار اس شخص سے ضرور ملنا چاہتا

ہوں۔"

حاتی فرید احمد میری طرف دیکھتے لگے۔ بولے۔

"وہاں فیش میں آکر کوئی ایسی دھکی حرکت نہ کر بیٹھنا۔ یہ تمہارے دشمنوں کا ملک ہے

اور جرم پیشہ لوگوں کو ملانے کی پولیس کی پوری حمایت حاصل ہے۔"

میں نے حاتی صاحب سے پوچھا۔

"میں نے یہ سنا ہے کہ وہاں ایک آدمی ہے جس کا نام ہے جی۔

میں نے یہ سنا ہے کہ وہاں ایک آدمی ہے جس کا نام ہے جی۔



کو بانی نے فوراً نوٹ پکڑ لیا اور انہیں اپنے بلاؤز کے اندر ڈالتے ہوئے مسکرائی اور میرے سامنے صوفے پر بیٹھ گئی۔ اب اس کا سوج بڑا شیریں ہو گیا تھا۔ کئے گئی۔
 "تم بھگلی نہیں لگتے ہو۔"

میں نے کہا۔

"جی ہاں جی میں بیماری ہوں مگر بھگلی میں بھی بڑی دیر رہ چکا ہوں۔"

مما بقی عمار عورتوں کی طرح مسکراتے ہوئے مجھے دیکھ رہی تھی۔ کئے گئی۔
 "مادہ تم جس لڑکی کی بہت کر رہے ہو" میں سمجھ گئی ہوں۔ وہ پنجابی لڑکی تھی۔ جیلہ اپنا ہاتھ جاتی تھی۔ اس کو کتنی باتیں دلوں کے ساتھ مل کر دھرو اور کھیا محمد پور کی بہتی سے افسانہ کر دے تھے۔ وہ اپنا نام کر مودا دیا شاید کرم داد بتاتی تھی۔"

میں نے بے اختیار ہو کر کہا۔

"جی کر مودا دیا کرم داد کے علاوہ کا نام تھا۔"

"جسیر کیسے پتہ ہے؟" کلاواٹی نے حیرانی سے پوچھا۔

میں نے کہا۔ "میں نے یہ سنا ہے کہ وہ ایک بڑا بڑا آدمی ہے۔ اس کی ایک صاحبہ ہے۔ وہیں جیسے ایک ہزار روپیہ دوں گا۔"

مما روپے کا نام سن کر کلاواٹی ہلکی سی "آہ" میں پھنک اٹھی۔ کئے گئی۔

"اس وقت تو وہ لڑکی میں نہیں ہے۔ میرا بھائی نے اسے کر دھند کے خاکر لے لیا ہے۔ یہاں ہے۔ وہ ایک دن میں آ جائے گا۔ وہاں پر ہی محمد میرے پاس لڑکیوں کی کھانسی ہے۔"

میں نے کہا۔ "میں نے یہ سنا ہے کہ وہ ایک بڑا بڑا آدمی ہے۔ اس کی ایک صاحبہ ہے۔ وہیں جیسے ایک ہزار روپیہ دوں گا۔"

"مجھے وہ سنا ہے کہ وہ ایک بڑا بڑا آدمی ہے۔ اس کی ایک صاحبہ ہے۔ وہیں جیسے ایک ہزار روپیہ دوں گا۔"

کلاواٹی نے عجیب کے ساتھ کہا۔

"ارے... اس کی ضرورت ہے اور وہاں کے بڑے آدمی...
 "تم ان کو بلا کر دے گے۔ تم یہیں فہرہ۔ میرا آدمی جیلہ کو لے کر کل میں تو پرسوں آ جاؤ گا۔ پر تم اس کے ساتھ رات بسر کر لیتا۔"

سامان بڑی جائے اور چمکھٹائی لے آئی۔ میں عجیب تہذیب میں پڑ گیا تھا۔ دل میں بار بار ایک بیل سا اٹھتا تھا کہ ابھی گاڑی میں بیٹھ کر دھندہ جاؤں اور خاکر کو قتل کر کے تیسرا آدمی سے آؤں مگر کلاواٹی نے مجھے خاکر کا ایڈریس بتانے سے صاف انکار کر دیا

"میں نے یہ سنا ہے کہ وہ ایک بڑا بڑا آدمی ہے۔ اس کی ایک صاحبہ ہے۔ وہیں جیسے ایک ہزار روپیہ دوں گا۔"

"میں نے یہ سنا ہے کہ وہ ایک بڑا بڑا آدمی ہے۔ اس کی ایک صاحبہ ہے۔ وہیں جیسے ایک ہزار روپیہ دوں گا۔"

"میں نے یہ سنا ہے کہ وہ ایک بڑا بڑا آدمی ہے۔ اس کی ایک صاحبہ ہے۔ وہیں جیسے ایک ہزار روپیہ دوں گا۔"

"میں نے یہ سنا ہے کہ وہ ایک بڑا بڑا آدمی ہے۔ اس کی ایک صاحبہ ہے۔ وہیں جیسے ایک ہزار روپیہ دوں گا۔"

"میں نے یہ سنا ہے کہ وہ ایک بڑا بڑا آدمی ہے۔ اس کی ایک صاحبہ ہے۔ وہیں جیسے ایک ہزار روپیہ دوں گا۔"

"میں نے یہ سنا ہے کہ وہ ایک بڑا بڑا آدمی ہے۔ اس کی ایک صاحبہ ہے۔ وہیں جیسے ایک ہزار روپیہ دوں گا۔"

"میں نے یہ سنا ہے کہ وہ ایک بڑا بڑا آدمی ہے۔ اس کی ایک صاحبہ ہے۔ وہیں جیسے ایک ہزار روپیہ دوں گا۔"

"میں نے یہ سنا ہے کہ وہ ایک بڑا بڑا آدمی ہے۔ اس کی ایک صاحبہ ہے۔ وہیں جیسے ایک ہزار روپیہ دوں گا۔"

"میں ہوں پراسیلا۔ دروازہ کھولیں مجھے آپ سے ایک ضروری بات کہنی ہے۔"

یہ وہی لڑکی تھی جس کا تعارف دست خوان پر کھلا پائی نے مجھ سے کرایا تھا۔ وہ وہی آواز میں بول رہی تھی۔ میں نے دروازہ کھولا تو وہ جلدی سے اندر آ کر میری چارپائی پر بیٹھ گئی۔ کہنے لگی۔

"دروازہ بند کر دیں۔"

میں نے دروازہ بند کر دیا اور کرسی کھینچ کر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ "کیا بات کہنی ہے تمہیں؟"

لڑکی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"نہیں، میں یہ کہنا چاہتی تھی۔"

میں نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھا۔ میں نے اس سے کہا کہ یہ بات تم مجھ سے کہنا نہ چاہو۔

"یہ بات ہے اس پر؟"

لڑکی نے ہنس کر کہا۔ کہنے لگی۔

"تم نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھا تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ یہ بات تم مجھ سے کہنا نہ چاہو۔"

وہ لڑکی میں نے پہلے ہی میں نے اس سے کہا کہ یہ بات تم مجھ سے کہنا نہ چاہو۔

میں نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھا۔

"تم یہ کہنا چاہتی تھی۔"

وہ ہنس کر کہا۔ "اس پر؟" میں نے اس سے کہا کہ یہ بات تم مجھ سے کہنا نہ چاہو۔

میں نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھا۔ میں نے اس سے کہا کہ یہ بات تم مجھ سے کہنا نہ چاہو۔

"میں نے پوچھی کہ دیا کہ مجھے وہ لڑکی پسند آگئی تھی۔"

پراسیلا نے کہا۔

"صرف پسند آ جانے سے کوئی مرد کسی لڑکی کی خاطر شہر چھوڑ کر دوسرے شہر نہیں بھیج

چلتا۔"

"میرے دل میں اچانک خیال آیا کہ اس لڑکی سے جیل کے بارے میں مزید معلومات حاصل ہو سکتی ہے۔ ممکن ہے اسے دستبند شہر کے اس ٹھاکر کا پتہ بھی معلوم ہو جس کے پاس سنا پائی نے جیل کو بھیجا ہوا ہے۔ میں نے کہا۔

"تو پھر یہی سمجھ لو کہ میں اس پنجابی مسلمان لڑکی سے محبت کرنے لگا ہوں۔ میں اس کی ایک جھلک دیکھنے کو بے چین ہوں۔ کیا تم مجھے دستبند کے ٹھاکر کا مکان بتا سکتی ہو۔"

میں نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھا۔ میں نے اس سے کہا کہ یہ بات تم مجھ سے کہنا نہ چاہو۔

لڑکی نے ہنس کر کہا۔ کہنے لگی۔

"نہیں، میں یہ کہنا چاہتی تھی۔"

"یہ بات ہے اس پر؟"

لڑکی نے ہنس کر کہا۔ کہنے لگی۔

"تم نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھا تھا۔"

میں نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھا۔ میں نے اس سے کہا کہ یہ بات تم مجھ سے کہنا نہ چاہو۔

وہ لڑکی میں نے پہلے ہی میں نے اس سے کہا کہ یہ بات تم مجھ سے کہنا نہ چاہو۔

میں نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھا۔ میں نے اس سے کہا کہ یہ بات تم مجھ سے کہنا نہ چاہو۔

"تم یہ کہنا چاہتی تھی۔"

میں نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھا۔ میں نے اس سے کہا کہ یہ بات تم مجھ سے کہنا نہ چاہو۔

"یہ بات ہے اس پر؟"

لڑکی نے ہنس کر کہا۔ کہنے لگی۔

"تم نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھا تھا۔"

میں نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھا۔ میں نے اس سے کہا کہ یہ بات تم مجھ سے کہنا نہ چاہو۔

وہ لڑکی میں نے پہلے ہی میں نے اس سے کہا کہ یہ بات تم مجھ سے کہنا نہ چاہو۔

میں نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھا۔ میں نے اس سے کہا کہ یہ بات تم مجھ سے کہنا نہ چاہو۔

گراؤڈ فریگ کیمپ میں نہیں سمجھا۔

"تو کیا وہ ملی میں اس بد معاش کے بچکے پر ہی ہے؟"

میرے اس سوال کے جواب میں مسٹر احمد نے کہا۔

"مجھے انوس ہے کرم داد صاحب! آپ کی بیگم صاحب شری راج کے بچکے پر بھی نہیں ہیں۔"

"تو بھروسہ کیا ہے؟" میں نے پوچھنا ہو کر پوچھا۔

احمد صاحب نے کہا۔

"شری راج سخت دھرم پر آدمی ہے اور نہ وہ کسی بد معاش سے متعلق ہے۔
ناگ دیوں سے جانتے ہوئے بد معاش سے بچاؤ کر کے وہ اپنا دھرم بھروسہ کرتا ہے۔ وہ روز پست
ناگ دیوں کے لئے بد معاش سے بچاؤ کر کے وہ اپنا دھرم بھروسہ کرتا ہے۔ وہ روز پست
ہاں آئے ہوتے تھے۔ اس نے آپ کی بیگم صاحبہ کو بھی بد معاش سے بچاؤ کر کے وہ اپنا دھرم
کہ یہ الٹی بات کہانی کی اپنا ہے۔ اس نے آپ کی بیگم صاحبہ کو بھی بد معاش سے بچاؤ کر کے وہ اپنا دھرم
دیو داسی نامی کے اور شری راج نے آپ کی بیگم صاحبہ کو بھی بد معاش سے بچاؤ کر کے وہ اپنا دھرم
اسے آپ اپنے ہاتھوں سے بد معاش سے بچاؤ کر کے وہ اپنا دھرم بھروسہ کرتا ہے۔"

میرے ہاتھ ایسا اور ہوئے۔ میں نے اس بات پر حیرت میں سے احمد صاحب سے
پوچھا۔

"کیسے ہیں تیسرے کہ وہ لڑکی شری راج نے آپ کو بد معاش سے بچاؤ کر کے وہ اپنا دھرم
کرم داد کی بیگم صاحبہ کی تھی؟"

احمد صاحب نے کہا۔

"جس عورت کی تصویر کرم داد صاحب نے مجھے دکھائی ہے اگر وہ کرم داد صاحب کی
بیگم ہے تو پھر یقین کریں کہ یہی عورت شری راج نے اپنے گورو دیو کے حوالے کی
ہے۔"

میں نے گھراساں بھر کر پوچھا۔

"آپ بتا سکتے ہیں کہ یہ بد معاش گورو بھاری کہاں کیا ہو گا؟"
احمد صاحب نے کہا۔

"میں سے جنوب کی جانب دھرم پر دیش میں ایک جگہ آتی ہے سنہیل پور، اس کے
پلو میں بالکل متوازی ایک دوسری جگہ ہے جس کا نام دیو گڑھ ہے۔ ان دونوں قبضوں
اور دیو گڑھ سے کوئی ایک میل کے فاصلے پر دریائے کاویری کے کنارے ناگ دیوی کا
بڑا مال ہے۔ نامندر ہے۔ بھاری دیو گری اس مندر کا مست ہے۔ میں وہاں جانا
نہیں کرتا۔ تم بالکل افسانہ ہو۔ ناگ دیوی کے مندر میں سنہیل پور کا راج
ہے۔ اس لیے یہ رہ رہتے رہتے مالپ ہیں جن کی ہیکار اگر چہرے پر پڑ جائے تو آدمی مر جاتا
ہے۔ یہ سب بد معاشی کے غلام ہیں۔ اس کا حکم دیتے ہیں۔"

احمد صاحب نے کہا۔
"آپ ایسا بہر قہر ہیں۔ میں نے اس عورت کو
شری راج نے آپ کو سونپا ہے۔ یہی وہی بیگم صاحبہ تھی۔"

میں نے کہا۔
"مجھے یہ یقین ہے کہ وہ عورت بیگم صاحبہ کی ہی تھی۔ لیکن اگر اس کے
بچے ہیں تو پھر یقین کریں کہ وہی عورت شری راج نے اپنے گورو دیو کے حوالے کی
ہے۔"

میں نے بیگم کی فوٹو احمد صاحب کے حوالے کر دی وہ کہنے لگے۔

"تیسرے کی وقت آکر تھیں گے۔"

ان کے جانے کے بعد مشتاق علی کہنے لگے۔

"کرم داد بھائی! کیا تم ان سانپ کی پوجا کرنے والے شیطانوں کے مندر میں جاؤ
گے؟"

میں نے کہا۔

"اگر میری بیوی بیگم کو یہ لوگ جہنم میں جی لے گئے ہوں گے تو میں اپنی بیوی کو

نکلنے وہاں بھی پہنچ جاؤں گا۔ اس وقت میری زندگی کا یہی ایک مقصد اور یہی ایک مطلب ہے۔ اگر میری بیوی غور پھر میں دوسرے لوگوں کے ساتھ شہید ہو جاتی تو مجھے آج صبر آ گیا ہوتا۔ لیکن وہ زندہ ہے اور کافروں کے قبضے میں ہے۔ میں اس وقت چین سے نہیں بیٹھوں گا جب تک میں ان کافروں کو تہ تیغ کر کے اپنی بیوی کو ان سے نجات نہیں دلا دوں گا۔"

اس کے بعد مشتاق علی صاحبِ فاموش ہو گئے۔

وہ رات ان میرے لئے قیمت کی رات تھی۔ اس وقت میں نے جانچا ہوا تھا اور اس وقت میں گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔ مجھے جیل کی جھیلیں ملتی رہتی۔ رات اس عذاب اور کرب کے عالم میں گزر گئی۔ اگلے روز دن کے من بجے اچھا صائب آگیا۔ مشتاق علی و سرحد نے کر دو میرے کمرے میں آئے اور جیل کی نوٹوں الاٹھانے پر اس طرف رجعت ہو گئے۔

”کرم داد اس بات تصدیق ہوتی ہے۔ یہی غرض تو شرعی راجع ہے۔ اپنے ہم
دوبو کے حوالے کیا ہے۔ ان کی یہی بات۔ ان کی یہی بات۔ ان کی یہی بات۔ ان کی یہی بات۔
شرعی راجع کے یہی حوالے اس سے فرمایا گیا ہے۔“

احمد صاحب پٹنہ ریٹھ پانے کے لئے سب سے پہلے - شری قمر علی صاحب سے کہا۔

”مشتاق ص۔۔۔ باب ۱۰۔۔۔ مجھے جانتے ہیں۔۔۔ غنیمت پورہ ۱۰۰۔۔۔
علاقے جہاں ناگ دیوی کا مندر ہے کہان پر ہیں اور وہیں جانے کے لیے مجھے کہیں سے
گاڑی پکڑنی ہوگی؟“

مشتاق صاحب کو یقین ہو چکا تھا کہ اب میں وہاں نہیں رکوں گا۔ کہنے لگے۔

”میں نے اس طرف کبھی سفر نہیں کیا لیکن اتنا جانتا ہوں کہ یہ علاقے جیسے کہ احمد صاحب نے بتایا آندھرا پردیش میں نہیں ہیں بلکہ مدھیہ پردیش میں واقع ہیں۔ میں پوری انکوائری کر کے تمہیں بتا سکتا ہوں تم یہاں کمرے میں ہی ٹھہرو۔“

[illegible]

خداوند را میسر باشد هرگز مشکلی نداشته باشد - میهن خود را بپوشد و گدازد

میں نے انہیں اس وقت تک نہیں دیکھا تھا کہ وہ اس قدر خوش حال ہو گئے۔

۱۔ خیال و تخیل کے ساتھ ساتھ ہر ایک کی زندگی میں بھی ایک ہی چیز کا خیال ہونا چاہیے کہ وہ اپنے لیے ایک ہی چیز کا خیال کرے۔

یہی طرح تھی۔۔۔ خدا برے سے وہ نہیں مل چاہتا اور مومن خیر و عافیت سے
راستگن و راجح پہنچتا ہے۔

میں نے ان سے کہا کہ وہ کلکتے میں حاجی فرید احمد صاحب کو تمام حالات سے باخبر کر دوں اور انہیں کہہ دوں کہ اگر میں جیل میں دوبارہ لانے میں کامیاب ہو گیا تو ان کا شکریہ ادا

”ہم آج ہی انٹر فون کر کے سارے حالات بتا دوں گا۔ تم کب روانہ ہونا چاہتے

“?”

لڑکی نے جواب دیا۔

"ہاں۔ میں دی ہوں۔"

اور وہ میرے قریب آگئی۔ کہنے لگی۔

"میرے ساتھ آؤ۔"

وہ اندر سے میں ٹھکنے کی طرف ہوئی۔ میں اس سے پیچھے ہٹنے پر تیار نہ تھی۔
گھر کی میں گھول درختوں کے خانے کی طرف سے تھی۔ اور درختوں کے درمیان چلتی
چھلک میں بائیں طرف چلائی۔ اور آگے سے آگے سے پیچھے یہ کوٹھڑی کی میرے
میں پہنچی۔ لڑکی۔ میری طرف چلائی۔

"آؤ۔ میں۔ میرے پیچھے پیچھے آؤ۔"

وہ غصہ سے بولی اور وہ اس کے ساتھ ساتھ چلائی۔ مجھے اس کی حالت میں دے
وہ تھی۔ صاف اس کے پاس سے گئی۔ وہ اس کی۔ مجھ میں جس کی حالت میں
اور روشن ہوئی۔ لڑکی۔ پیار کے یہ لفظ میں بھی بولی تھی۔ میں اس کی۔ صوم
حق روشن کے اس کے خانے میں سے اس کے خانے میں طرف کا جاؤ۔ وہیں
پیچھے ہوئے ہوں۔ "میرا ہنر مار۔"

میں اس کے ساتھ قریب سے چلائی۔ میں اس کی حالت میں دے
اس حالت میں جیسا تھا کہ وہ لڑکی پر غصہ۔ میں اس حالت میں جیسا تھا کہ وہ لڑکی پر غصہ
سیا۔ تاکہ اس کے جسم پر ریت نہ پڑے۔ میں اس کے قریب سے چلائی۔ تاکہ وہ لڑکی پر غصہ
آنکھیں بڑی بڑی تھیں۔ درمیان سے مانگ نکال کر اس نے ہل شانوں پر ڈال رکھے تھے
اور سازشی پن رکھی تھی۔ کہنے لگی۔

"کیا تم واقعی اسی لڑکی کے پتی دیو ہو جس کی فوٹو تم نے مجھے دکھائی تھی؟"

میں نے کہا۔ "ہاں میں ہی اس کا خوند ہوں۔ میں مسلمان ہوں اور میری بیوی کا نام
جیلہ ہے۔"

میں اسے جیلہ کے اغوا کے واقعات بتانے لگا تو پراسرار لڑکی نے ہاتھ تھوڑا سا اوپر اٹھا

کر کہا۔

"مجھے یقین آگیا ہے کہ اب جو کچھ میں تمہیں بتانے والی ہوں وہ بالکل سچ ہے۔ اسے

خود سے سنو۔ تمہاری بیوی جیلہ۔"

میں نے اس کی بات کاٹ دی اور بے کالی سے پوچھا۔

"اور وہ۔ میں۔"

پراسرار لڑکی نے میری طرف گھور کر دیکھا اور ہنسی۔

"سچ میں۔ بولو۔ تمہاری بیوی زندہ ہے۔ اس سے بات کرو۔ اس سے کہو۔ اس سے کہو۔"

خانے میں جیسا کہ تھا وہ مجھے ہی تھی۔ مجھے اس پر غصہ تھا۔ میں اس کی حالت میں دے

حالت میں تھی۔ میں اس کی بولی نہ دیتی تھی۔ میں اس کے ساتھ ساتھ چلائی۔

قد وہ بہت لمبا تھی۔ پریشانی میں وہ لڑکی کی یاد میں تھی۔ میں اس کی حالت میں دے

لے پسند کر یا اور تاکہ نہ دے۔ اس کے ساتھ ساتھ چلائی۔ میں اس کی حالت میں دے

تمہاری بیوی لڑکی کی یاد میں تھی۔ میں اس کی حالت میں دے

ہے۔ اس کی بات کو مان لو۔ اس کی بات کو مان لو۔ میں اس کی حالت میں دے

تپاں کوں خانے کے تاکہ وہ لڑکی کی طرف سے نہ دے۔ میں اس کی حالت میں دے

میں پریشانی کے عالم میں پراسرار لڑکی کی باتوں سے دھمکتی تھی۔ میں اس کی حالت میں دے

میری باتوں سے ساتھ ساتھ چلائی۔ میں اس کی حالت میں دے

"خدا ہے۔ تم سچے ہو۔ میری بات سناؤ۔ میں اس کی حالت میں دے

کس جگہ پر ہے۔ میں جان کی بازی لگا کر وہاں سے اپنی بیوی کو نکال لے جاؤں گا۔"

پراسرار لڑکی نے گہرا سانس بھر کر کہا۔

"میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ بچاری دیو گری نے تمہاری بیوی کو مانگ لیا۔ تمہاری رسم اور

کرنے کے بعد سنتا ہوں کہ منہ میں بیٹھا ہے۔"

"اس کا کیا مطلب ہے؟" میں نے پوچھا۔

پراسرار لڑکی بولی۔ "اس کا مطلب ہے کہ تمہاری بیوی کے جسم پر بھی پوری رات

میں اپنی بیوی کے ساتھ سکون سے زندگی بسر کرتے کرتے میری زندگی میں یہ انقلاب بھی آ
 جانے لگا اور سانپوں کی پوجا کرنے والوں کے چنگل میں پھنس جائیں گے۔ میں اور میری
 بیوی بھیاں کہ قسم کے حالات کا شکار ہو چکے تھے لیکن میں نے ہمت نہیں ہاری تھی۔ مجھے
 اپنے خدا پر بھروسہ تھا۔ میرے دل کو یقین تھا کہ ان بیماریوں کے سانپ مجھے اور میری
 بیوی کا پنجہ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ اس کے باوجود کسی وقت یہ خیال ضرور آتا تھا کہ اگر
 خدا غصے میں نہ آجائے۔۔۔ میں بھی گمراہی میں نہ گر جاؤں۔۔۔ میں نے یہ سب سہرا
 لاکوئی تار میں تھا۔ لیکن اس وقت۔۔۔ میں نے اپنی بیوی پر شیطانی
 بیماریوں کا کل سہرا لٹا دیا۔

میں سے پروردگار کی سنت ہے۔

”مجھے سزا سنائی دے۔“ دادو نے کہا۔ جا، اب یہاں سے نکلتا ہے۔

— ५ — ३ ५ १ ५

مکتبہ اسلامیہ، لاہور، پاکستان

— 4 —

”مہلوں، یہ بہرہ گل بہار سے لہو بہار میں ہے؟“

— 19 —

”مسلمان بتوں لی پوجا میں لے۔ وہ صرف ایک خدا کو مانتے ہیں۔ اس لیے ان کے جسم سے ہر وقت ایک خاص قسم کی خوشبو نکلتی رہتی ہے۔ دیو گرنے ناک مندر کے پور سنہ دن مٹھ کے تمام ساتیوں کو مسلمانوں کے جسم سے نکلنے والی اس خاص خوشبو سے واقف کر رکھا ہے۔ جیسے ہی سنہ والی مٹھ کے علاقے میں کوئی مسلمان داخل ہوتا ہے تو وہاں کے ساتیوں کو اس کے بدن سے نکلنے والی خاص خوشبو محسوس ہو جاتی ہے وہ اس خوشبو کا بچھ کر کے مسلمان مسافر تک آتے ہیں اور اسے ڈس لیتے ہیں۔“

اس پر اسرار لڑکی نے مجھے یہ بتایا کہ سنسٹا ویل منٹہ یہاں سے سینکڑوں میل دور ایک

سیاہ سانپ کو پھرانے کے بعد وہل بیٹھا گیا ہے۔ تم اپنی بیوی کو نکل کر جہاں بھی لے جا،
مے ناگ، دیوچی کے سانپ اس کا بچہ کریں گے اور اس کے ساتھ تھیں بھی موقع ملے ہی
ڈس کر ہلاک کر ڈالیں گے۔“

میں نے کہا۔ "لیکن میری بیوی کے جسم پر تو تمہارے کہنے کے مطابق صرف ایک باب کا کپڑا ہے۔ میں یوں اسے جس طرح دیکھتا ہوں، وہ تمہاری جیسے ہی ہے۔"

اس نے جواب دیا۔ "ابھی تک نہیں۔"

میں نے کہا۔ "تو ابھی تک نہیں؟"

[illegible]

ہر ایک کوئی اور کسی خاص شخص سے ہے۔

میں سے اس نے کہا ہے

سانپ نے نہیں ڈسا۔ کوئی سانپ تھمارے جسم کی بڑا کر تھمارے پیچھے پیچھے نہیں آیا۔"

”ہنگ مندر کی حد اس پرانی سلاخ کی کوٹھی تک ہے۔ اگر میں اس سے آگے جاتی تو کوئی نہ کوئی سانپ تر خانے کی پٹاری سے نکل کر میرا پیچھا کرنا شروع کر دے گا اور مجھے ڈس کر ہلاک کر دے گا۔“

میں عجیب صورت حال میں پھنس گیا تھا۔ میں نے کبھی سوچا تک نہیں تھا کہ دھاکے

لڑکی نے فیصلہ کن انداز میں کہہ

"جس خود بھی اس جنم سے لٹکا جانتی ہوں۔ ہو سکتا ہے تمہارا خدا میری بھی مدد کرے اور مجھے بھی ان خوبی پکاریوں اور سانپوں کی موت سے بدتر زندگی سے نجات مل جائے۔"

میں نے

"لیکن سانپ تمہارا کچا کریں گے۔"

دوبلی۔ "یہ خطرہ تو مجھے مول لیتا ہی پڑے گا۔"

میں نے اس پر ہنس کر کہا "تم نے اسے کب تک مجھے اپنا نام نہیں بتایا۔"

وہ بولی۔ "میرا نام اپنی بہن کے نام سے رکھا ہے۔ مجھ سے کچھ نہ پوچھا۔ اس سے زیادہ

میں تمہیں کچھ نہیں بتاؤں گی۔"

میں نے اس پر ہنس کر کہا "تمہاری بہن کا نام بھی سنو۔"

وہ بولی۔ "میں نے اس کا نام نہیں بتایا۔"

"میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔ میں تمہاری بیوی و صاحبی بننے سے انکار کرتی ہوں۔"

میں نے اس پر ہنس کر کہا "تمہاری بہن کا نام بھی سنو۔"

وہ بولی۔ "میں نے اس کا نام نہیں بتایا۔"

"تمہاری بہن کا نام بھی سنو۔"

وہ بولی۔ "میں نے اس کا نام نہیں بتایا۔"

"تمہاری بہن کا نام بھی سنو۔"

وہ بولی۔ "میں نے اس کا نام نہیں بتایا۔"

"تمہاری بہن کا نام بھی سنو۔"

وہ بولی۔ "میں نے اس کا نام نہیں بتایا۔"

"تمہاری بہن کا نام بھی سنو۔"

وہ بولی۔ "میں نے اس کا نام نہیں بتایا۔"

چہند اور ہوشیار رہو گا اور بھارت سے پاکستان کی طرف فرار ہوتے وقت جیلہ کی پوری نگرانی کروں گا۔ بلکہ رات کو بھی اس کے گرد چل بھر کر پیرہ دوں گا۔ اگر کوئی دشمن سانپ نظر آئے تو میں اسے وہیں کچل ڈالوں گا۔ جس طرح پر اسرار لڑکی تو ہم پرست تھی اور سانپوں کو دیوی دیوتا سمجھتی تھی میں ویسا نہیں تھا۔ میں سانپ کو محض ایک موزی پر ابھی سمجھتا تھا۔ مرسل ٹائٹل سے ارباب کے ہاں کہہ سکتے ہیں۔

جب ڈاؤنی نے میری بیوی جیدہ و چاندن صاحبہ سے ساتھ ڈال دیں۔ میں نے

اسے فرار ہونے کا فیصلہ کیا تو وہ نے حیرت سے کہا "میں بھی اس کے ساتھ ہی فرار ہوں۔"

انہوں نے کہا "میں نے یہ نہیں طرف کبھی دیکھا تھا۔"

میں نے کہا "میں نے یہ نہیں دیکھا تھا۔"

میں نے کہا "میں نے یہ نہیں دیکھا تھا۔"

میں نے کہا "میں نے یہ نہیں دیکھا تھا۔"

میں نے کہا "میں نے یہ نہیں دیکھا تھا۔"

میں نے کہا "میں نے یہ نہیں دیکھا تھا۔"

میں نے کہا "میں نے یہ نہیں دیکھا تھا۔"

میں نے کہا "میں نے یہ نہیں دیکھا تھا۔"

میں نے کہا "میں نے یہ نہیں دیکھا تھا۔"

میں نے کہا "میں نے یہ نہیں دیکھا تھا۔"

میں نے کہا "میں نے یہ نہیں دیکھا تھا۔"

میں نے کہا "میں نے یہ نہیں دیکھا تھا۔"

میں نے کہا "میں نے یہ نہیں دیکھا تھا۔"

میں نے کہا "میں نے یہ نہیں دیکھا تھا۔"

میں نے کہا "میں نے یہ نہیں دیکھا تھا۔"

میں نے کہا "میں نے یہ نہیں دیکھا تھا۔"

میں نے کہا "میں نے یہ نہیں دیکھا تھا۔"

[illegible]

میں اس سانپوں کی کلاہیری کے اس جذبے سے بڑا متاثر ہوا۔
پاکستان کی نئی نسل بھارت کے اس علاقے کے بارے میں بہت کام جانتی ہے اور
علاقوں کا میں ذکر کر رہا ہوں۔ پرانی نسل کے جو لوگ ان علاقوں سے واقف ہیں اس پر

آدی مندر والے مخلوک شخص کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ جب وہ قریب آیا تو میر نے اسے پہچان لیا۔ یہ وہی مندر والا مشتبہ آدمی تھا۔ اچھے قد کا شخص کا آدمی تھا اور اچھے لباس بھی زیادہ نہیں تھا۔ اس نے اپنا سہا بھرتا اپنی کھد کی واگٹ میں ڈال رکھا تھا۔

میں نے یو محمدؐ ”کیا بات ہے بھیا؟“

میں اندھا تھا، حق مار کچھ کاٹا۔ ایک کوششوں کے بارے میں حل باتوں میں کسی
اشی میں، وہیں لی شکل و صورت ختم نہیں ہوئی۔ وہ نے اسے افسوس ہو گیا۔ یہ
اندھا اس سے اسی تک صدمہ ہی کی بات میں۔ وہ تھا۔ میں تھا۔ یا کہ اس
جیب میں بھرا ہوا ہسپتال یا رواد ہے۔ یہ کچھ نئی زندگی کی حس چوری میں پیدا
ہوئی۔ میں نے یہ بھی سوچا کہ اس شخص نے مجھے پہنچا دیا۔ کیا تو مجھے
کیا کرنا ہوگا۔ وہ میرے او قریب اب اس دور میں آگئی تھی۔ یہ تھا۔ اندھا میں
میری طرف مسکرا کر دیکھنے لگا۔

”تم سارے اسے ہو؟“

میں نے بڑے احمق اور کسی قدر بے نیازی سے کہا۔

”اگر سے ٹال دہی کے درختوں و آٹا ہوں۔ کہیں ٹھیکس پچھ رہے۔“
وہ اسی طرح سٹکارا تھا جسے اس کو میرے بیان پر یقین نہ آیا تھا۔ نہ کہ۔

"فان كان الامر كذلك فليكن الامر كذلك"

میں نے کہا۔ ”کیا بات ہے؟ تم کون ہو؟“

اس آدمی کے چہرے کی مسکراہٹ قاتب ہو گئی۔ کہنے لگا۔
 ”ذرا میرے ساتھ مندر کے باہر تک آؤ۔“

میں نے کہا۔

”کیوں آؤں؟ تم مجھے اس طرح علم دینے والے کون ہو؟“

اسی وقت اس آدمی نے صدری کی جیب سے ہاتھ باہر نکال لیا۔ اس کے ہاتھ میں
لور تھا۔ کہنے لگا۔

”ہمیں معلوم ہے کہ تم پاکستان کے جنگی قیدی ہو۔ تمہیں ہمارے ساتھ پولیس چوکی
نہ چلنا ہو گا۔“

اس نے ہمیں کہا تو میں سمجھ گیا کہ وہ اکیلا نہیں ہے۔ اس کے دوسرے ساتھی بھی
 اس کی جگہ پر ہیں اور وہ ہمیں کیس ادر ادر چھپے ہوئے ہوں گے۔ میں نے فوراً حکمت
 میں تبدیلی کر لی۔ کیونکہ میرے پاس زیادہ وقت نہیں تھا۔ میں نے کہا۔

”بھڑا کتا اس نے خد تپایا۔ میں، تان کئی قدم نکلیں۔ میرا نام میں
 ہے در حشر میں میری مبارکی نہ ہے۔“ وہ ہوا میں۔“

اس آئی۔ یہ میری طرف سے عملِ فکور ہے۔ ہائے اسفند! ماضی و آئندہ کی۔
 ”وہ بچہ آج، نہ مری۔“

دائیں جانب : حضرت یحییٰ علیہ السلام کی قبر۔ ہمارے سامنے آگیا ہے

James Abdu Butler

”کیا کتا ہے یہ گنکا دین؟“

پہلے، بے سی آئی اور آئیسرہام میں تھیں۔

کتاب: نیرانام عن لالہ جے میں پاکستان کی مہول "کلی" مہولہ

کنگادین نے ہنس کر کہا۔

”دوسرے پندقی اس ناپسندیدہ اثر کو جیتے ہیں۔ ایسی معلوم ہو رہی ہے کہ - منہ - یا سلطان۔“

میں خضرے کی آخری سرحد پر آگیا تھا۔ یہاں سے فرار کا ایک ہی راستہ تھا جو میں نے
 سوچ لیا۔ اگر یہ لوگ میری پتلون اتروا لیتے تو ایک لمحے میں صورت حال بالکل بدل جاتی
 اور یہ بات ثابت ہو جاتی کہ میں وہی جنگی قیدی ہوں جو ٹرین سے چٹان تک مارا گیا تھا۔
 خدا کا دین کہنے لگا۔

”یہ تو مجھے پاکستانی جاسوس لگا ہے دھرمیو۔“

”محرّم چھ نے کہا۔“ اس کا پتلا اور ترواؤ۔“

پانی پھل، اس کا ذمہ کھولا اور اس میں سے پانی کی طرح کی کوئی شے زمین پر اور اپنے چہرے سے لگی۔ میں نے پوچھا۔

”کیا کر رہی ہو کلیری؟“

وہ کہتا ہے: "حق اہلِ کلمہ کو کلمہ صحت دیتا ہے اور کلمہ صحت اس کو ایک خاص مقام دے گا۔" اور یہ کہ: "میرے جیسے لوگ جو کہ کلمہ صحت لے کر آئے ہیں، ان کے لیے یہ کلمہ صحت ہے۔"

میں۔۔۔ پاپ۔۔۔ "رکھی، قریب رہنا، چپ"

دوہڑے۔ "بہت سے ادا اید آئے تھے میرے قافلے میں آنے والے مسافر کو
میری بون آئے گی۔ آج میں تم کو خوش میں کر رہی ہوں۔ جتنی دور کل تھے ہیں کل
ہیں۔"

اس سے جڑی بو کے عرفی نام کو مل وہاں پھڑکتی دی۔ سے تھی۔

”میں ٹانگ مندریں احمد ترمذی سے اس کے لیے مدد مانگ رہا تھا اور اس وقت
اس قصہ کا یہی ہیرو بننے کا سبب بن گیا۔ خیر، وہ کہہ کر خاموش ہو گیا۔ وہ اپنے
آپ بھائی سے نکل کر میرے محل میں آیا۔ وہ کہتا تھا میں نے تیرے تین چہرے دیکھے۔
جو کہ سب سے پہلے تیرے سر پر تھے۔ وہ دوسری طرف ہر گز نہیں دیکھ سکتا تھا۔
پسے کی کوشش نہ کر سکتا تھا۔ تیسری طرف تو وہ دوسری طرف نظر نہ کر سکتا تھا۔
اس سے پس صرف ایک گھنٹہ ہی ہے۔ اس کے بعد میری بو جگہ میں پھیل جائے گی اور
ٹانگ مندر کا کوئی دو سراسنپ بنادی سے نکل کر میری تلاش میں چل پڑے گا۔ جدیدی
سے نکلے گا۔“

پہ اسرار لڑکی کلوری لگتا تھا کہ جنگل سے پوری واقف تھی۔ وہ اندھیرے میں بھی جنگل میں بڑی آسانی سے راستہ دیکھ کر چلتی چلی جا رہی تھی۔ ہم جنگل کے اندھیرے میں غصے میں تھوکتے چلتے چل رہے تھے۔ میں نے کلوری کو بالکل نہیں بتایا تھا کہ مندر میں

تھی۔ ہوا بالکل بند تھی۔ آسمان پر تارے چمک رہے تھے۔ جنگل کی طرف سے دیو دار اور
مرغی کے درختوں اور دیو لوں میں آگ ہوئی گھس کی مرطوب بو کسی وقت آجاتی تھی۔ میرا
رخ کلاب کی طرف تھا کیونکہ اسی طرف سے کلاہیر کو آتا تھا۔ اس طرف اونچے اونچے
درخت تھے۔ ان کے نیچے درج پناہ تھا۔ یہاں ایک جھوٹا سن گڑھا تھا جو
اندھیرے میں گھس۔ میں اپنی عورت کے ساتھ اس میں رات گزارنے کے لیے
سے بنا تھا۔ یہ آگ کی آواز۔ ساتھ ساتھ درختوں کے بار بار میں سب کے سب
گھس۔ اس وقت ہارے سن پاپا۔ تیارہ ۵۵م بارگھ۔

تیسرا چپ کا۔ چاروا۔ چھ پروردگار کر رہے تھے میں انھوں نے کہنے لگے کہ وہ
 پہلے سے کہہ دیا ہوگا، یہ بھی ممکن ہے۔ اصل یہ کہ رات میں اگر جنگ
 ہے۔ پانچ سو سال میں تو ہمیں اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔ اس میں تو اس
 کوئی بھی نہیں تھا۔ یہ تو وہی حالت میں سے نکل کر آئے ہیں۔ یہ
 ممکن ہے۔ میں اہل بیت کے ساتھ تھا۔ یہ کہہ رہا تھا کہ یہ وہی ہے۔ یہ
 ہوتا تھا۔ یہ کہہ رہا تھا کہ میں اس کے ساتھ تھا۔ یہ کہہ رہا تھا کہ
 تو وہی تھا۔ یہ کہہ رہا تھا کہ یہ وہی تھا۔ یہ کہہ رہا تھا کہ یہ وہی
 طرف سے تھا۔ یہ کہہ رہا تھا کہ یہ وہی تھا۔ یہ کہہ رہا تھا کہ یہ وہی
 طرف سے تھا۔ یہ کہہ رہا تھا کہ یہ وہی تھا۔ یہ کہہ رہا تھا کہ یہ وہی
 ایک سادہ میری طرف آ رہا تھا۔

سب چیزوں سے قریب آ رہا تھا۔ پھر اندھیرے میں مجھے کلوری آتی نظر آ گئی۔ میں نے اسے پہچان لیا۔ اس نے ہاتھوں میں کپڑے میں بٹنی ہوئی کوئی چیز منبھل رکھی تھی۔ کس نے لگی۔

”ان شیطانوں سے نکل کر آنا بڑا مشکل تھا۔ چہ آگے نکل چلو۔“

وہ ڈھلان اتر کر کوٹھڑی کے کنارے بیٹھے آگنی۔ میں اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ پھر اس

رقم راب ذراست ہو گئی تھی۔ راستے میں جہاں کہیں جنگل میں ہم کوئی موڑ کھونے لگتے تو کادیری رک جاتی۔ پیچھے مڑ کر ہوا میں لمبے سانس کھینچ کر کچھ سو گئے کسی کو شش کرتی۔ جب پہلی بار اس نے ایسا کیا تو میں نے پوچھا کہ وہ کیا سو گئے رہی ہے۔ وہ بولی۔

”میرا دشمن سانپ میری بوسہ کھاتا ہے اور میں اس کی بوسہ کھاتی ہوں۔“

میں نے پہلے یہ جانتی ہو کہ اسے کیا سنا ہے ؟
اس نے ہاں۔

”میں۔۔۔ نہیں یہ نہیں بتایا کہ میرا آپ نے نہ لڑی گا، لڑوں گا۔ یہاں نہیں ہے۔
میرا، شمن، مناجات، دعا کی ریت میرے جسم پر، شہرہ خاں، دل کی ریت۔
کی بوسہ لگاتا ہے تو میں دو تین میل سے کہیں کہہ دو ضرور، لڑنا، شمن۔
وہ چلتی، چلتی چلتی، چلتی چلتی رتی بارش کی گتے تھے۔“

”پیپر اور پیرن میں مل کر مل گئیں۔ بات ۱۰۰ سالوں میں طاق کے
پیدا ہو جاتی ہے کہ عام لوگوں کی ہانگی، مگر یہاں سے پیپر اور
بڑی پر اسرار شکلیوں کے مالک ہوتے ہیں۔ ان کی طاق یا طاق پیپر سے
نہیں ہوتی۔ اس کے لیے پیپر چلے گئے ہیں۔ انہوں نے ان میں
سادہ سادہ رات تیار کی ہے۔“

”دربارِ قریب آگیا ہے۔“

میں نے پوچھا۔ ”تمہیں کیسے معلوم ہوا؟“

”مجھے دریا کے پانی کی خوشبو آگئی ہے۔ یہ تو ایک عام آدمی بھی اگر اس علاقے میں آتا۔“

جائا رہا ہو تو بتا دے گا۔"

میں نے پوچھا۔ ”کیا ہمیں دریا پار کرنا ہوگا؟“

”ہاں مگر فکر کی کوئی بات نہیں ہے۔ یہ اصل دریا نہیں ہے بلکہ دریا کی شاخ ہے۔“

... نکل کر جنگل میں سے گزرتی ہے۔"

تھوڑی دیر بعد ہم دریا کی شاخ پر پہنچ گئے۔ یہ ایک بڑی غیر متضبی چوڑی تھی۔ یہاں آہن کھلا ہونے کی وجہ سے ستاروں کی دھندل روشنی میں دریا کا دوسرا کنارہ اور اس کے بہت بھی نظر آ رہے تھے۔ میں نے کلیری سے کہا۔

”مجھے تیرا آغا ہے۔ کیا تم تھکتی ہو؟“

میں نے اسے دیکھا تھا۔

"نہا، مجھے گی آتے تیر میں نہیں ہوں۔ میں مانتا ہوں کہ ہے۔"

”یہ دیکھو، میں نے میری بیٹی کو یہاں لایا ہے۔“

— 2 —

”اگر تو تیار ہے۔۔۔ میں بھی ہے۔۔۔ تو کی باتیں سنیں۔ میں یہی
 ”آئی۔“

[illegible]

”ابھی تک مجھے دشمن سانپ کی بو نہیں آ رہی۔ معلوم ہوتا ہے اس نے میرے جسم کی بو کھو دی ہے۔“

میں نے کہا۔ ”یہ تو بڑی اچھی بات ہوئی ہے۔“

۱۰۔ ”لیکن تم ساتھ سے اور خاص طور پر ناگ دیوی کے مندر کے ساتھ سے

کلیری نے ہاتھ اونچا کر کے سردار سے کہا۔

”سردار! کیا تو دھن راج ڈاکو ہے؟“

سردار نے ہنس کر کہا۔

”اوسے تو میں تمہیں کیا آدمی پانی لگتا ہوں۔ یہ بتا کہ تو رانی کی بددعہ ہے یا کوئی

اور ہے؟“

کلیری نے کہا۔ ”سردار! میں رانی کی بددعہ نہیں ہوں۔ آدمی ہوں۔“

ہوں۔ جگل میں مٹیوں پختہ کی تھی۔ اسے میں اسے ہوتی تھی۔

مڑی میں بیٹ آئی کہ رات۔ جاتے تو تمہیں یہاں۔“

سب ڈاکو قہقہے لگا کر ہنس پڑے۔ سردار نے کہا۔

”امری آج تو ہماری رانی ہے۔ چلا کیلے کر۔“

ہوں گی۔“

کلیری کی کمال جرات اور سوداگروں کا معاہدہ رونق میں۔ سننے لگا۔

”سردار! یہی بڑی خواہش تھی۔ میں اسے ڈاکو سے لے کر۔“

دھن بھاگے ہیں کہ تمہارے دشمن ہو گئے۔ میں وہ تمہیں اپنے ہاتھ سے شرب

کی۔“

کلیری نے ایک ڈاکو کے ہاتھ سے دھن لے لی۔ پھر ایک گلاس میں شرب

سردار کو دی۔ سردار نے مسکراتے ہوئے گلاس لے لیا اور بولا۔

”امری! وہ امری رانی! تو نے تو کمال کر دیا ہے۔“

سب ڈاکو بولے۔

”ہمیں بھی اپنے ہاتھ سے شرب دو۔ ہم بھی رانی کے ہاتھ سے شرب پئیں گے۔“

اور کلیری سب کے گلاسوں میں شرب ڈالنے لگی۔ کلیری سب ڈاکوؤں کو گلے

میں شرب ڈال ڈال کر پلا رہی تھی۔ ڈاکو جھوم رہے تھے، قہقہے لگا رہے تھے۔ سردار نے

کلیری کو پاؤں سے پکڑ کر کھینچ لیا اور بولا۔

”امری رانی! تو بھی پانی۔ یہ لے۔“

کلیری نے اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

”سردار! میں دارو نہیں پیتی۔“

سردار نے غصے کے ساتھ کہا۔

”نہیں پیتی تو دھن راج کے ساتھ آج تو بھی پیے گی۔ دیکھتا ہوں کیسے نہیں پیتی؟“

کلیری فوراً راضی ہو گئی۔ کہنے لگی۔

”چند سردار! میں بھی دارو پیتی ہوں۔ تمہاری خاطر صرف ایک گھنٹہ پیو گی۔“

سردار نے بلند قہقہہ لگایا۔

”میں ایک گھنٹہ ہی پیو۔ لے۔ پانی۔“

میں کلیری نے دھن لے لیا۔ اور میرے ہاتھ میں تھا۔ وہاں ابھی ایسی صورت

تھی کہ میں نے دھن کی قیمت لے لی۔ سردار نے اپنا گلاس کلیری کی طرف

دھن لے لیا۔ شرب ڈاکو نے دھن لے لی۔ دھن لے لی۔ دھن لے لی۔

پھر دھن لے لی۔ دھن لے لی۔ دھن لے لی۔ دھن لے لی۔

بولے۔

رانی میں جس میں دھن شرب چاہتی تھی۔

میں بڑا حیران ہوا کلیری نے کوئی اعتراض نہ کیا اور بولی۔

”میں تم سب کو اپنی جو بھی شرب پلاؤں گی۔“

دھن لے لیا۔ دھن لے لیا۔ دھن لے لیا۔ دھن لے لیا۔

جاتی۔ گلاس میں شرب ڈالتی۔ گلاس کو اپنے ہونٹوں کے ساتھ لگا کر اوپر کو اٹھاتی۔ جیسے

شراب کا گھنٹ بھر رہی ہو اور گلاس ڈاکو کو دھن کر دیتی۔ ڈاکو فوراً شرب پی جاتا۔

سردار کو اس نے دوسری بار بھی اپنی جو بھی شرب پلائی۔ سردار نے نعرہ لگایا۔

”رانی! ہمیں دھن کر کے دکھاؤ۔“

میں نے دیکھا کہ کلیری نے فوراً سردار کا حکم مان لیا اور آہستہ آہستہ رقص کرنے

دلی مٹھ کے پہرے دار سناپ آس پاس کے جنگل میں بھر رہے ہوں گے۔“
اس کے بعد کلوری نے منہ پیچھے کی طرف کر کے دو تین کمرے سانس لیے اور مسکرا کر کہنے لگی۔

”جڑی بوٹیوں کے خاص عرق کی وجہ سے میرا دشمن سناپ لگتا ہے بھگ گیا ہے۔
اسے ابھی تک میرا غائب نہیں ہونے دے گا۔ مجھے اس کی باتیں سنیں۔“ کہہ کر تین چار میل پیچھے وہ گئی۔

میں نے کہا۔

”میں اس مٹھ سے پہلے اس جنگل میں نہیں آتا۔ اور اسے سمجھوں
پر بھی حملہ کر دیں گے؟“
کلوری کہنے لگی۔

”ہم پہرے داروں کی سرحد مت گھسنے۔ پہلے گھوڑے چھوڑ دیں گے اور وہاں
سے ایک ذخیرہ لے آئے۔ سناپ کی طرف سے نہیں آئے۔“
ہم ندی کے ساتھ ہی کچے جنگل میں داخل ہو گئے۔

انہارے گھوڑے تھوڑے تھوڑے چل رہے تھے۔ ان کی شریں میں پانی تھا۔ جنگل
اولی میں وہاں سے آگے نہ بڑھ سکتے تھے۔ انہارے گھوڑے پانی میں نہ رہی
تھی اور بھوک بھی محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے کلوری سے کہا۔
”کلوری! کیا تمہیں بھوک چاس نہیں لگتی؟“

وہ بولی۔ ”کیوں نہیں لگتی فکر نہ کرو۔ آگے جنگلی چلوں گا ایک ذخیرہ آتا ہے۔ ہم وہاں
کچھ کھا پی بھی لیں گے اور آرام بھی کریں گے۔“

جنگلی چلوں کا یہ ذخیرہ ایک کھنڈ جنگل میں سبز کرنے کے بعد آیا۔ ہم گھوڑوں سے اتر
گئے۔ یہاں کیوں اور جنگلی بیروں کے بے شمار درخت تھے۔ کلوری ندی سے ذرا ہٹ کر
گھاس پر بیٹھ گئی۔ گھوڑوں کو ہم نے کھلا چھوڑ دیا تھا تاکہ وہ بھی گھاس اور ندی کے پانی
سے پیٹ بھر لیں۔ میں کچھ دیر اور جنگلی کیوں کا ایک گچھ توڑ کر لے آیا۔ ہم دونوں کھینے

اور ہر کھانے لگے۔ میں نے کلوری سے پوچھا۔
”اب مجھے تازہ کلوری کہ تم نے ڈاکوؤں کو بے ہوش کیسے کیا تھا؟“
وہ کہنے لگی۔

”میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ میرا ختم سپیروں کے گھر میں ہوا تھا۔ میرے ہاتھ پیرے
اور سپیروں تھے۔ اس کے بعد ہمیشہ ہو گئے تھے ایک جنگل کے پاس نے پانی پیا
کر پڑا تھا۔ شروع سے ہی سناپوں کے ساتھ میں ہی دو تین رہی ہے۔ ان کے ہاتھوں سے
مجھے کانا کھانے کی دہلی پڑا رکھے تھے۔ انہارے گھوڑے میں میں نے کانا کھانے کی دہلی
ناگ دان دہلی تھی۔ وہی سپیروں میں یہاں تک پہنچا تھا کہ میں نے کانا کھانے کی دہلی
ناگ دان کو سناپ سے ڈسوا دیا تھا تاکہ وہ اس سے بچے۔ انہارے ایک خاص قسم کی دہلی
پلا دی جاتی تھی جس سے ہم پر زہر کا کام داتا تھا۔ ہوتے تھے۔ سناپ کے ڈھانچے کے
بعد میرے ہاتھوں میں سناپ کے زہر کا خاص قسم کا زہر تھا۔ اس کے زہر سے سناپ
میں چاہوں اپنے زہر کو وہی کھانے کے آگے نہ بڑھ سکتے تھے۔ اگر میں کسی کو مار دیتا
پانی پلاؤں تو اس کے گھر میں زہر کا شعلہ مل جاتا۔ اس کے زہر سے وہ مر جاتا۔
دو مرتبہ اس میں کچھ دیر کے لیے اسے ہوش سوراہے گا۔ میں نے اسے اس کے
ساتھ بھی لے کر لیا تھا۔ اب اس کے گھر میں میں نے کچھ دیر کے لیے اسے ہوش سوراہے گا۔
اچانک مجھے کانا کھانے کی دہلی تھی۔ میں نے کانا کھانے کے لیے اسے ہوش سوراہے گا۔
میں نے جب شراب کے گلاس میں سے کچھ لیا تھا۔ اس کے زہر سے وہ مر جاتا۔
ہوں۔“

مگر میں نے شراب کا ایک قطرہ بھی نہیں پیا۔ بلکہ اپنی زبان پر لایا ہوا زہر شراب
میں داخل کر دیا۔ اس کے بعد ایک ایک کر کے سارے ڈاکو بے ہوش ہو گئے۔“

میں جڑی حیرانی اور تعجب کے ساتھ کلوری کی باتیں سن رہا تھا۔ اس قسم کی باتیں میں
نے پہلے کبھی نہیں سنی تھیں۔ اس قسم کی عورت بھی میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔
کسی وقت مجھے محسوس ہوا تاکہ میں الف لیل کی دنیا میں نکل آیا ہوں اور میرے ساتھ وہی

"ہم ایک خفیہ راستے سے سنسلاولی ٹھہ میں داخل ہوں گے۔"

"کیا یہ خفیہ راستہ پہلے دار ساجیوں سے محفوظ ہوگا۔"

"کسی حد تک محفوظ ہوگا لیکن ہمیں چوکس رہنا پڑے گا۔ چپے آؤ۔"

اور ہم نے گھوڑوں کو دور نظر آنے والے درختوں کے جھنڈوں کی طرف بڑھا دیا۔



Free pulp Library



آپ سرد سوچتے ہیں کہ نہ میں ہی داخل ہوں۔ جس کی داستان سنا رہا ہوں۔ مگر
تین کریں اظہار کے جنگوں میں اس سے بھی زیادہ مشکل ہے۔ واقعات ان ناگ مندروں
میں وقوع پزیر ہوتے ہیں۔ بعد میں تقریباً کچھ عرصے تک رہا۔ جو جگہ میرے ساتھ پیش آیا
دو آئے وقت یہاں واقعات سے متعلق ہے جس نے مجھے اس قدر متاثر کیا کہ میں اس سے
ایک خفیہ خزانے کی تلاش میں یہ محسوس نہیں ہو سکتا تھا کہ میں اس کے قریب ہوں
واپس لانے کے لیے سردی کی بازی لگا کر اس موت کے سطر نکلا ہوا تھا۔

سنسلاولی ٹھہ سے سردی اور جھل سے متاثر ہونے لگے تھے۔ میں جنگی قوتوں
میں آبدی نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے یہاں سے چل کر پورے علاقے میں
ہو گئے تھے۔ سردی اور جھل سے متاثر ہونے لگے تھے۔ میں نے یہاں سے
کے جھنڈوں میں داخل ہونے کا ارادہ کیا تھا۔ میں نے یہاں سے
سانپ آگئے ہیں۔ پرنکار کی آواز پر گھوڑے ڈر کر پیچھے ہٹ گئے۔ کلوری میرے قریب آ
نی تھی۔ اس نے گھوڑے کی ہانک کو سمجھ لیا۔ میرا گھوڑا تھر تھرا کا پ رہا تھا۔ سامنے
بگڑی کے مین درمیان ایک سرخ اور ہزرنگ کا بہت بڑا سانپ زمین سے باغ فٹ
دیر اندھ کر چمن پھیدے کھڑا تھا۔ کلوری اسے گھور کر دیکھنے کی کوشش کر رہی تھی مگر
گھوڑا ڈر کر پار پار پاؤں اوپر اٹھا رہا تھا۔ میں نے جیب سے روپو اور نکال کر سانپ کے سر کا
شٹ یا اور فلاز کر دیا۔ چونکہ روپو اور کے آگے شانی سلیٹر چڑھا ہوا تھا اس لیے دھماکے کی

آواز نہ آئی۔ مگر فائز کی آواز ضرور آئی۔ میرا شانہ کھاڑو ٹرننگ کے دوران میں سب سے اچھا ہوا کرتا تھا۔ ریچ اور سے نکل ہوئی گولی نے سانپ کے سر کے پرچے اڑا دیے۔ کلوری نے چونک کر میری طرف دیکھا۔

”یہ پتوں تمہارے پاس کہاں سے آگیا؟“

میں نے کہا: "میں نے تمہیں بتا دیا تھا کہ تم اس سڑک سے نہیں گزرتے۔" اس وقت یہ روبرو دیکھ آیا ہے۔

میں نے اس سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ میں تم کو اپنے لیے نہیں چاہتا۔

[illegible]

ہم جنگل کے اندر جانے کی بجائے جنگل کے مارے مارے جو دوست تھے ان کے قریب سے دوکر جنوب کی طرف جا رہے تھے۔ میں نے کلوری سے پوچھا کہ جس خفیہ راستے کا اس نے ذکر کیا تھا وہ کھل چکا ہے؟ کہنے لگی۔

”مشکل یہ ہے کہ وہ جنگل کے اندر جا کر ہے۔“

”اور سنٹا ولی کا منہ کہاں ہے؟ مجھے تو یہاں سوائے درختوں کے اور کچھ دکھائی نہیں دیتا۔“

اس نے کہا۔ ”اس جنگل کے وسط میں ایک پتھر کی چار دیواری ہے۔ سنٹا ولی منہ

اس چار دیواری کے اندر چلایا گیا ہے۔
 میں نے سوال کیا۔ "اس منہ میں کیا ہوتا ہے؟"
 وہ ایک لمحہ خاموش رہنے کے بعد بولی۔

”وہاں جو کچھ ہوتا ہے وہ تمہاری سمجھ میں
ہیں۔“

میں۔ لکھنؤ کے تین پتہ پر۔

”میری نے کہا۔ ”وہ اس نے کیا ہوئی ہے کہ اسے
 لڑایا ہوا ہے اور میں اسے ناگ اسٹریٹ سے کھینچ کر
 ”وہ خاص دھم کا ہے یہی ہے جو کہ تمہارے بچنے کا
 میری کہنے کی۔“

میں نے اس کو دیکھا۔ قریب مجھ سے۔

میں نے کہا۔ اے خداوندگار! وہ درجن حارث
بتا دیا تھا کہ تاف دیوی سے مندر میں جب پجاری دیوی
سانپ کو پھرا دیا جاتا تھا کہ سانپ اس کے جسم کی ہر
ہر اور جانے تو سانپ اس کی بولیتا ہوا اس کے پیچھے
بھلاک کر دے۔ میں نے سوچ جاتا تھا کہ میں بیلہ کو
مستان چلا جاؤں گھ دیں اول تو بھارت کا سانپ نہیں
ڈالوں گا اور یوں قصہ ختم ہو جائے گا لیکن بیلہ کو ناگ
سی اور رسولت میں سے گزرا جا رہا تھا اس کے بار

"یہ علاقہ سنٹا ولی منہ کی چار دیواری سے دور ہے اس طرف منہ کے علاوہ سنبھ
نہیں آتے اس لیے ہم بے فکر ہو کر چل سکتے ہیں۔"

جہازوں میں راستہ بناتے اور رک رک کر چلتے آخر ہم ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں
درفتوں کا گھنٹا بن کسی حد تک چھٹ گیا تھا اور کالے سیاہ رنگ کی مہبت ناک چٹانیں زمین
سے نکل رہی تھیں دوسری کے ساتھ چھٹی ہوتی تھیں۔ "قدم آگے جا کر دوا
صاف رہا تو غور سے دیکھتے تھے۔ میں تھا کہ وہیں یہ تھا۔ مجھے پیاس لگ رہی تھی
مگر غار میں تھا۔ وہاں مجھے معلوم تھا۔ اب میں سن بھی سکتا تھا۔ کلوری ایک سید
چٹان سے چپے بیٹھی تھی۔

تو میں نے کہا کہ لے دو میری نظروں سے اور چل ہو گئی۔ پھر واپس نکل کر آئی اور مجھے
شیر سے لے کر۔۔۔ میں نے کہا کہ اس جگہ سے۔۔۔

مجھے یہ قہر لیا یا سب سے بڑا نالی۔۔۔ میں نے کہا کہ ہوتے گھبراؤ گے
میں نے کہا کہ میں اس سے گھبراؤں گا۔۔۔ میں نے کہا کہ میں بھی ہوں گے اور
انہوں میں ہو گا۔"

میں نے کہا۔ "ہاں انہوں نے فرما دیا۔۔۔ میں نے کہا کہ میں سے گزرو سکتی ہو تو
میں نہیں سن سکتا۔"

دو تین طرف، پھر روبرو اور پوئی۔

"آج۔"

غار کا دہانہ چٹان کی دوسری طرف تھا جس کو جنگلی جہازوں کی بڑے بڑے پتوں اور
شاخوں نے ڈھانپ رکھا تھا۔ کلوری نے جہازوں کو پر سے ہٹایا تو مجھے ایک اندر میرا شک
نظر آیا۔ کلوری اس اندر سے شک میں داخل ہو گئی۔ میں بھی اللہ کا نام لے کر اس کے
پیچھے شک میں داخل ہو گیا۔ غار میں گھپ اندر میرا تھا اور عجیب ناگوار سی بو پھیلی ہوئی
تھی۔ لگا تھا کہ کلوری اس غار میں پہلے بھی آ چکی ہے۔ وہ میرے آگے تھے۔ کسے گئی۔

"دور تو نہیں لگ رہا۔"

میں نے کہا۔ "پاکل نہیں۔"

غار کی چھت اونچی سی ہوئی کیونکہ ہمارے سر اس کے ساتھ نہیں لگ رہے تھے۔
جائے ضرورت کے آگے آتے جن کو میں باتوں سے پرے ہٹا دیتا۔ زمین پر بڑی سی
چھٹی ہوئی تھی۔ میں نے دونوں بازو پھیلائے تو ایک طرف میرا ہاتھ دیوار سے لگ گیا۔
دوسری طرف ہاتھ دیوار سے ڈاگ میں دیوار پر ہاتھ لگا کر آہستہ آہستہ قدم اٹھا کر چل
رہا تھا۔ ایک دو میں ٹھہری۔ "اگلی تھوڑی سی دکان کہ اتنی حد تک لگائی ضرورت
نہیں ہے۔ غار میں کوئی کڑوا، میوہ نہیں ہے۔ میں یہاں سے دو تھیں بار کھائیں ہیں۔
میں نے جو کچھ کھا ہے۔ کھاتے ہوئے تھے۔ کچھ میوہ کھا رہا تھا اور میں تھا۔ کھانا تھا تو
صرف یہ کہ کسی طرف سے۔ میں صاحبہ نہ نکل گیا۔ میں نے گاڑی۔ اس
غلطی کا ذکر کیا تو وہ بولی۔

"اس غار میں باپ نہیں لے گا۔ میں نے کہا کہ میں نے اپنے ان زمینوں کو ہی بو
ہے۔ باپ اس سے گھبراؤں گا۔"

میں نے کہا۔ "میرا تمہارا نہیں ہے باپ بھی اس غار میں نہیں ہے گا۔"
دوبلی۔ "نہ۔۔۔ پاکل جبکہ ایک دوسرے میں نے سوچ رکھا ہے کہ ام اس کے
دوسرے۔۔۔ کے پاس جا کر اپنا مکان بنائیں گے۔"

"ابا۔۔۔ شک نہ رہا جس اس غار میں رہنا پڑے گا۔"

میں نے کہا۔ "ام اس میں ہے۔"

کلوری نے کہا۔

"تو اور کیا تمہارا خیال ہے کہ ہم سیدھے سنٹا ولی منہ میں جائیں گے اور تمہاری
بیوی یا نکل تنہا بیٹھی ہوئی اور ہم اسے لے کر واپس چلے جائیں گے؟ تمہاری بیوی نہ
صرف علاوہ ساتھ بلکہ منہ کے بٹے کے پیچاریوں کے پہرے میں ہوگی۔ اسے یہاں سے
نکلنے کے لیے مجھے بڑی مشکل ہوگی کسی ترکیب سے کام لینا پڑے گا۔"

میں نے کہا سوچ لیا تھا کہ دیوار اور میرے پاس ہے۔ اس میں ابھی گیارہ بارہ گویاں تو

ضرور بھری ہوئی ہوں گی۔ کوئی صورت نظر نہ آئی تو میں غار تک کر کے چھ سات بھاریوں کو ڈھیر کر دوں گا اور جیلہ کو نکال کر لے جاؤں گا۔ چھ سات بھاریوں کی لاشیں گریں تو باقی سب بھاگ جائیں گے۔ دوسرے صرف ان زہریلے سانپوں کا تھا جو بقول کلیری کے میری بیوی کی نگرانی کر رہے تھے۔ کیونکہ اس جگہ میری بیوی ٹانگ پوجا کرنے والوں کی خاص جگہ کے حصے میں سے تھی۔ لیکن میری بیوی کی محبت اور اسے ان شیطانیوں سے بچانے کے لئے جانے بچانے کی تدابیر اور ان کے جانے نہ بھی زیادہ پروا میں تھی۔ یہ حال ضرور تھا کہ میں وہی غار میں جاؤں گا۔

میرے ہمارے اندر گھپ بھری ہوئی تھی۔ نہ انتہائی دوسرے کے ساتھ بائیں سے پٹ بار ہے۔ اندھیرا اور تاریک ہے۔ آہی آہی اور میں نے غار کا قہقہہ دیا۔ پھر وہاں سے ایک بڑا سا پتھر اٹھ کر

اس طرح میں نے اس کی۔

غار میں نہایت ہی سنی سنی تھی۔ قہقہہ دیا تو میں نے سنی سنی تھی۔ مجھے غار میں بھی بس لڑکھن، شور مچا، اور میں نے سنی سنی تھی۔ راسخاں میں پڑا تھا۔ اس نے وجہ نہ سوچتی تھی کہ مار مار کر اسے تھکاتے اور سنبھالتے تھے۔ آخر غار میں سے مجھے دو اشنی کا ایک ٹھکانہ ملا۔ میں نے اسے لے لیا۔

”شاید غار کا دوسرا سرا آگیا ہے۔“

دو شنی کا ٹھکانہ اس نے بھی دیکھ لیا تھا۔

”ہاں ہم غار کے دوسرے سرے پر پہنچنے والے ہیں۔“

دو شنی کا ٹھکانہ آہستہ آہستہ چھٹا چلا گیا۔ پھر مجھے کلیری کا سرا اور اس کے بدن کا خاکہ اندھیرے میں ابھرا دکھائی دیا۔ فضا میں بھی کازہ ہوا شامل ہونے لگی تھی۔ ہم غار کے دوسرے سرے پر پہنچ گئے۔ کلیری کے کندھے سے میں نے ہاتھ اٹھالیا۔ غار کا دہانہ زیادہ فراخ نہیں تھا۔ یہاں بھی غار کے منہ کو آدھے کے قریب جنگلی جھاڑیوں نے ڈھانپ رکھا

تھا۔ دن کافی ڈھل چکا تھا اور بادلوں کی وجہ سے باہر زیادہ روشنی تھی۔ کلیری غار کے دہانے کے قریب ہی بیٹھ گئی۔ میں بھی بیٹھ گیا۔ وہ باہر دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

”میں جنگل میں شام کا اندھیرا بچھل جائے گا انتظار کرنا ہو گا۔“

میں نے کہا۔

”کیا تم ایک ماہ کا ہے؟“

”ہاں۔“

”تو کی نہیں جانتے تھے کہ میں یہاں آئی ہوں؟“

”میں نے تو یہ سوچا تھا کہ میں یہاں آئی ہوں۔“

”میں نے تو یہ سوچا تھا کہ میں یہاں آئی ہوں۔“

”میں نے تو یہ سوچا تھا کہ میں یہاں آئی ہوں۔“

”میں نے تو یہ سوچا تھا کہ میں یہاں آئی ہوں۔“

”میں نے تو یہ سوچا تھا کہ میں یہاں آئی ہوں۔“

”میں نے تو یہ سوچا تھا کہ میں یہاں آئی ہوں۔“

”میں نے تو یہ سوچا تھا کہ میں یہاں آئی ہوں۔“

"کلیری تم مجھے صاف صاف کیوں نہیں بتاتیں کہ اصل بات کیا ہے؟"

تب مجھے کلیری نے اصل حقیقت بتاتے ہوئے کہا۔

"تمہاری بیوی زندہ ضرور ہے مگر اس کے اندر ناگ اتو کی رکس پوری کرنے کے بعد ناگ کی ساری خصلتیں پیدا ہو گئی ہیں۔"

یہ سب کچھ سن کر مجھے ہلکا سا ہنسنے لگا۔ میں نے کہا: میں اس بارے میں کلیری کے پاس ہی طرف بہت زیادہ اقلد اس کی بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ میری بیوی میں ناگ کی خصلتیں پیدا ہو گئی ہیں۔ میں نے پوچھا۔

"کیوں؟"

"میرا خیال ہے کہ ناگ کی خصلتیں وہاں تک عموماً ہوتا ہے کہ تمہاری بیوی آدمی کی طرح بن جائے گی۔ اس کی طبیعت پیدا نہیں ہوئی کہ عورت سے ناگ بن جائے بلکہ یہ اس کا مادہ ہے۔ اس پر پورے سے اس کو پکارتی ہیں۔ ان کے پاس جو ناگ بدو کیا ہے اس سے اس کے شادمانہ وقت کے دوران میں اس سے ناگ بننے سے ناگ بننے کی طبیعت پیدا ہو جائے گی۔"

یہ بات سن کر میرے دل میں بہت عجیب سی کیفیت پیدا ہوئی۔ میں نے آنے والی باتوں کو دیکھ کر ہلکا سا ہنسنے لگا۔ میں نے کہا: اس وقت لڑکا کہہ رہا ہے کہ یہ فضول باتیں ہیں۔ اس مسئلے سے اور ایک مسئلہ اس وقت کے دو گریوں کا بھی اثر نہیں ہو سکتا۔ میں نے کلیری کے بیان کو مذاق میں اڑانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"کلیری! میں مسلمان ہوں اور مسلمان اس قسم کے توہمات پر کبھی یقین نہیں کر سکتا۔ تم مجھے صرف اتنا بتا دو کہ میری بیوی سنسنی والی منہ میں کس جگہ پر ہے ہاں سب کچھ میں سمجھ لوں گا۔"

کلیری ہلکی۔

"میں نے تمہیں بتا بھی دیا تو تم کیسے دہل پڑے؟ راستے میں قدم قدم پر ہے۔"

زہریلے سانپ پہرہ دے رہے ہیں۔ وہ تمہیں راستے میں ہی ڈس کر ہلاک کر دیں گے۔" میں نے کلیری کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور منت مانت کے لیے میں کہا۔

"کلیری! تمہیں اپنے بھگوان کی قسم ہے۔ مجھے میری بیوی کے بارے میں بتا دو کہ وہ منہ میں کس جگہ پر ہے۔ میں نے سانپ سے پتہ کر لیا کہ اس کے منہ میں منہ و نکل کر زندہ سلامت واپس آ جاؤں گا۔"

کلیری صوف میں پڑ گئی۔ کہنے لگی۔

"میرا خیال ہے کہ ناگ کی خصلتیں وہاں تک عموماً ہوتا ہے کہ تمہاری بیوی آدمی کی طرح بن جائے گی۔ اس کی طبیعت پیدا نہیں ہوئی کہ عورت سے ناگ بن جائے بلکہ یہ اس کا مادہ ہے۔ اس پر پورے سے اس کو پکارتی ہیں۔ ان کے پاس جو ناگ بدو کیا ہے اس سے اس کے شادمانہ وقت کے دوران میں اس سے ناگ بننے سے ناگ بننے کی طبیعت پیدا ہو جائے گی۔"

یہ باتیں مجھے ہزاروں برس پہلے کے جنگلی انسانوں کی باتیں معلوم ہو رہی تھیں۔ کلیری جو کچھ بیان کر رہی تھی مجھے اس پر ذرا سا بھی یقین نہیں آ رہا تھا۔ میرے سامنے صرف ایک ہی خیال تھا میری بیوی زندہ ہے۔ وہ شیطان اور بد معاش لوگوں کے قبضے میں ہے اور مجھے ہر حالت میں اسے ان بد معاش لوگوں کے چنگل سے چھڑانا ہے۔ کلیری جب

کے تہ خانے تک کیسے پہنچوں گا اور مجھ وہاں سے اپنی بیوی کو نکال کر سائپوں سے بچاتے ہوئے کیسے واپس آؤں گا۔ اس مہم کو سر کرنے کے لیے مجھے کلادی کی راہنمائی کی سخت ضرورت تھی۔ میں نے بے بسی کے ساتھ کہا۔

”تو پھر تم مجھے کیا مشورہ دیتی ہو؟ کیا تم اسے کسی طرح نکال کر یہاں تک نہیں

اوس نے کہا۔

”میں خود اسی سوچ میں ہوں۔ آج کا دن گندم والے۔ رات کا نوچرا ہوتے ہی میں دوبارہ میں منہ لہی طرف ہوتا ہوں۔“ یہ بات کامرہ وصال میں سن کر یوں کہہ رہی تھی کہ ”کس طرف سے اور کس طرف سے لے لے لے لے لے لے لے“

وہ دن ہم نے عار میں بیٹھ کر ہی گھر آیا۔ اس دن اسی طرح اب آلودہ قمار ہمارے پاس پہنچا۔

[illegible]

میں نے پوچھا۔

کلویری نے جواب میں کہا۔

”سنسٹا دلتا مٹھ کے سانپ پوے زہریلے اور مٹیلے سانپ ہیں۔ باہر سے کوئی بھی سانپ آ جائے وہ اس پر ضرور حملہ کر دیتے ہیں۔ شاید اسی خیال سے میرا دشمن سانپ بیل تک آتے ہوئے ہنچکا رہا ہے۔ مگر اتنا مجھے اندازہ ہو گیا ہے کہ وہ اسی جنگل میں ہے اور اس اعتبار میں ہے کہ میں اسے کہیں نظر آ جاؤں اور وہ وہیں مجھے ڈس کر ہلاک کر دے۔“

جب شام کا اندھیرا گھرا ہو گیا اور جنگل میں بادلوں اور درختوں کے گنجان ہونے کی وجہ سے رات ہونے سے پہلے ہی رات کی تاریکی چھا گئی تو دیریری میری بیوی کے فرار کا جائزہ

اپنی رام کھانا چکی تو میں نے بڑے پر اچھو لیجے میں کہا۔

"کلوری! اگر تمہیں مجھ سے اور میری بیوی سے توڑی ہمت بھی ہو رہی ہے اور تم واقعی میری مدد کرنا چاہتی ہو تو اپنے بھگوان کے لیے مجھے صرف اتنا مادہ کہ میری بیوی جیلہ کو مستحقہ مالی معضے کے باعث ششماں نے کہاں قدمیں کیے ہوئے تھے۔ اس کے بعد وہ تم سے کچھ نہیں پوچھوں گا۔ پھر میں جانوں اور میرا کام۔"

کاہن - اب مجھے ہاتھ اپنا ہاتھوں میں - بدلتا ہے - وہی سے ہاتھ ہے -
 "تیری ہر روی در آئیں تیری بدن ہے ہاتھ ہے - اس کی ہر روی تھی
 میں آئیں رہے اب - ورنہ تیری ہر روی - ملکہ ہے - اس کی ہر روی کی
 طرف سے - مٹی کی - میں ہوں جس میں ہر روی ہے - اس کی ہر روی
 ہر کوئی سے نکلتا آسمان ہر کوئی سے نکلتا ہے -

[illegible]

کلاوری نے مجھے اتنا یاد دلایا تھا کہ میری بیوی سنسکرتی مٹھ کے قہہ خانے میں بند ہے اور مٹھ کے پجاری سپیرے اور ان کے سانپ اس پر پہرہ دے رہے ہیں۔ میں ان سپیروں سے تو نمٹ سکتا تھا مگر سانپوں کا مقابلہ کرنا میرے بس میں نہیں تھا۔ ایک دو سانپ ہوتے تو میں انہیں ختم کر دیتا مگر یہاں تو بقول کلاوری کے زہریلے سانپ کینڑے کوڈوں کی طرح چل پھر رہے تھے۔ میری کچھ مہنتیں، آج کل کا تھکا ہوا جسم اور اسے بچ کر مرنے والی بیوی،

خانوادہ کی حیثیت سے مجھے بھی کرنا چاہیے۔ ہم کافی دیر تک دھیمی آواز میں باتیں کرتے رہے۔ میں نے اسے بتایا کہ میرے پاس کچھ رقم بچی ہوئی ہے۔ ہم اُٹھایا گزرا۔ سے ریل گاڑی کے کٹ غریب کہیں گے۔ اس نے مجھ سے پوچھا۔

”جیلہ بہن کے واپس مل جانے کے بعد تم میں سے کس طرف جاؤ گے؟“ میں تو اس بات کی طرف چلی جاؤں گی، وہاں جا رہے تھے۔“ کاغذ ہے۔“

میں نے کہا۔

”مجھے تو یہ بھی میں پتا نہ تھا کہ یہاں پر تو اس قدر گرم ہو گا۔“

۱۔ دو جہاز کو چھ راتوں کے بعد پانچ بجے ایک دوسرے سے ٹکرائی۔
۲۔ دو جہازوں میں سے ایک جہاز کے اوپر ایک دوسرے سے ٹکرائی۔
۳۔ ایک جہاز کے اوپر ایک دوسرے سے ٹکرائی۔

اسی طرح باتیں کرتے کرتے اگلے درجے پر

تب کلوری ہل-ہل

”میرا خیال ہے اب ہمیں اپنی مسمیٰ نکل پڑنا چاہیے۔“

خار سے باہر آ کر اس نے غصا لکڑیوں کا پتھر سے دھماکا دو دھپتے ٹھن سے کی ہو
لے رہی تھی۔ کہنے لگی۔

تاش میں ہے لیکن میں پوری طرح سے شاد ہوں۔"

اس کے بعد ہم جنگل میں چل پڑے۔
رات کی تاریکی نے جنگل کو اپنی لیٹ میں لے رکھا تھا۔ جنگل میں چاروں طرف گھبرا

ساتھ بھالیا ہوا تھا۔ ہم جس علاقے سے گزر رہے تھے۔ یہاں بانیس کے گھنے جھنڈوں نے

جھاڑیوں کے درمیان سے گزر رہی تھی۔ اس کے گزرنے سے جھاڑیوں کی ٹہنیوں کی جو آواز آتی تھی میں اس آواز کے اندازے سے مجھے جتنے پل رہا تھا۔ میں بزدل نہیں تھا۔

اور پھر وہ میری بھرپور جوانی کا زمانہ تھا۔ اس کے باوجود مجھے سانپوں کا ڈر لگا ہوا تھا۔ ایک دو بار میں نے اس خیال سے زمین پر زور سے پاؤں مارا کہ اگر ادھر ادھر کوئی سانپ ہو تو وہ ڈر کر بھاگ جائے۔ اس پر کلوری رک گئی۔ اندھیرے میں مجھے بالکل پتہ نہ چلا کہ وہ چلتے چلتے رک گئی ہے۔ میں اس سے کراہید اس نے دہی آواز میں مجھے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

(+ dan = 3 - 14 C)

۱۰۰۰

"یہ ہے ایک نیا نیا شہر"

"نہیں ہوا۔ میں نے اس کے ساتھ مل کر کھانا کھا لیا۔"

یہ مضمون ہے : جین-ہارمون

[Faint handwritten notes at the bottom of the page]

(مفتی محمد رفیع الرحمن صاحب مدظلہ العالی، دارالافتاء اسلامیہ پاکستان، لاہور)

کوئی ایک قدم پیچھے ہٹ رہا تھا۔

پانچویں نمبر : راضی جواب ال۔ باب الحیرہ میں ہے کہ :

دکھائی ہے کہ یہ ایک طرف مڑی ہے یہ دوسری طرف سے تھیں۔ ان کے جسموں میں

پڑھائی آتی اور زمین دوبارہ ہموار ہوتی۔ ایک جگہ بیج روہ رکھتی۔ چونکہ اندھیرے

میں مجھے اس کے جسم کا ہیولا نظر آ رہا تھا اس لیے میں بھی رک گیا۔ اس بار میں اس کے

ادھر نہیں گرا۔ اپنا چہرہ میرے قریب لا کر اس نے سرگوشی میں کہا۔

”آگے پھر کر چھ سات میڑھیاں ہیں۔ دھیمان سے اترنا۔ یہ ایک خشک مالاہ ہے۔“

چند قدم چلنے کے بعد وہ نیچے اتر گئی۔ میں بھی سنبھل سنبھل کر نیچے اترنے لگا۔ یہ

پتھری میڑھیں تھیں۔ میڑھیں اترنے کے بعد ہم خشک کالاب میں جُہ جُہ اُگی ہوئی

یہ کوئی بچہ اس ساتھ فٹ چڑا شک کتاب تھا۔ آگے بھر پتھر کی بیڑیاں آگئیں جن پر سے گزر کر ہم کتاب کے دوسرے کدے پر آ گئے۔
 یہاں کلوری نے میرے کدے پر ہاتھ رکھ کر سامنے کی جانب کچھ دکھاتے ہوئے کہا۔
 "وہ روشنی دیکھ رہے ہیں؟"

میں نے کہا کہ میں نے اس کی روشنی دیکھی ہے۔
 "اور اگر غائب ہو جاتی تھی۔ کہنے لگی۔"

میں نے کہا کہ میں نے اس کی روشنی دیکھی ہے۔
 "اور اگر غائب ہو جاتی تھی۔ کہنے لگی۔"

میں نے کہا کہ میں نے اس کی روشنی دیکھی ہے۔
 "اور اگر غائب ہو جاتی تھی۔ کہنے لگی۔"

"خاموشی رہتا۔"

جنگل کی رات بڑی ڈراؤنی اور پتلیوں کے قبرستان کی طرح خاموش تھی۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے بالکل ساتھ لگ کر بیٹھے ہوئے تھے۔ مجھے کلوری کے سانس کی آواز کے ساتھ ساتھ اس کے دل کے دھڑکنے کی آواز بھی سنائی دے رہی تھی۔ وہ بھی چپ تھی۔ اچانک مجھے ایک لمبی سٹی کی آواز سنائی دی۔ میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ میں اس آواز کو پہچانتا تھا۔ یہ سانپ کی سٹی کی آواز تھی۔ جن بوگوں کو کبھی وسطی بند کے جنگلوں میں رات کو گزرنے کا اتفاق ہوا ہے، صرف وہی ان جنگلوں کی راتوں کی ہیبت ناک آہنیں

بھرتنا چھا جاتا۔ کلوری نے اپنے منہ سے سٹی کی بڑی باریک اور تیز آواز نکالی۔ وہ وقتے وقتے سے یہ آواز نکالتی رہی۔ اس کے بعد جنگل میں سے جو سٹی کی آواز سنائی دی تھی، خاموش ہو گئی۔ جب دو تین منٹ تک سانپ کی سٹی کی آواز نہ آئی تو کلوری نے اٹھتے ہوئے دوپھی آواز میں کہا۔

"یہ سنو۔ سانپ کی آواز تھی۔ وہ آگے بڑھ رہی ہے۔"

میں نے کہا کہ میں نے اس کی روشنی دیکھی ہے۔
 "اور اگر غائب ہو جاتی تھی۔ کہنے لگی۔"

میں نے کہا کہ میں نے اس کی روشنی دیکھی ہے۔
 "اور اگر غائب ہو جاتی تھی۔ کہنے لگی۔"

میں نے کہا کہ میں نے اس کی روشنی دیکھی ہے۔
 "اور اگر غائب ہو جاتی تھی۔ کہنے لگی۔"

میں نے کہا کہ میں نے اس کی روشنی دیکھی ہے۔
 "اور اگر غائب ہو جاتی تھی۔ کہنے لگی۔"

میں نے کہا کہ میں نے اس کی روشنی دیکھی ہے۔
 "اور اگر غائب ہو جاتی تھی۔ کہنے لگی۔"

میں نے کہا کہ میں نے اس کی روشنی دیکھی ہے۔
 "اور اگر غائب ہو جاتی تھی۔ کہنے لگی۔"

پلے سے کچھ دہلی ہو گئی تھی۔ وہ میری آغوش میں سے نکل آئی۔ کہنے۔
 "میں خود چلوں گی۔ تم گھر نہ کرو۔"

تاریک جنگل کی رات میں ہمارا سفر ایک بار پھر شروع ہو گیا۔ لیکن یہ سفر کامیابی کی
 منزل کی طرف تھا۔ میں اپنی سہیلی کو ماحصل کرنے میں مدد دے رہا تھا۔ جیل کو مہر اپنے
 ساتھ لے چلا تھا۔ اس وقت سے منتظر تھا کہ اس کی طرف سے خبر آئے۔ وہ میری
 کچھ تہائی ضرورت تھی۔ اس کی رات پتہ نہ تھا۔ وہ میری کچھ تہائی
 تھی۔ ایک بار اس نے پتہ نہ دیا تھا۔

"جیل خانہ۔ وہ ہم سے ابھر رہا ہے۔ اس کی کچھ تہائی میں ہے۔"
 دوسری دن سے صرف ایک قدم آگے چل رہا تھا۔ اس نے یہ بات کہہ کر
 کرکے چلا۔ اس نے وہی بات کہی۔ وہی جیل خانہ۔ یہ ایک دور تھا۔ جانی
 تھا کہ وہاں ہر چیز غلط تھی۔ اس کی طرف سے خبر آئی تھی۔ اس نے
 ساتھ لے گیا تھا۔ میں اس کی حقیقت سے واقف تھا۔ اس نے اس میں
 میری آغوش میں چلا گیا تھا۔ اس نے میری آغوش میں چلا گیا تھا۔ اس نے
 رات کو یہ کہنے سے پہلے کہ میں نے اس سے کہنے سے پہلے کہ میں نے
 رات کو یہ کہنے سے پہلے کہ میں نے اس سے کہنے سے پہلے کہ میں نے
 ہوئی تھی۔ اس نے اس کی آغوش میں چلا گیا تھا۔ اس نے اس کی
 لیکن آگے چل کر ناگ منٹوں کا ظلم اپنا اثر دکھا سکتا ہے۔ اس وجہ سے بھی میں پریشان
 تھا لیکن میرا خدا پر کامل یقین تھا اور میں نے مدد کر رکھا تھا کہ جیل پر اگر کسی منتر کا
 طلسم اثر ہو بھی گیا ہے تو میں اسے اپنی قوت ارادی سے بڑھ کے لے ختم کروں گا۔

ہم ایک کھلی میں اتر گئے۔

کلوری نے کہا۔

"اس کھلی کے آگے چھوٹی نہر ہے جس کے پار جنگل وھاڑیوں کا جنگل ہے۔ اس جنگل

مجھے ایسے لگا جیسے جیل پلے پلے تھک گئی ہے۔ میں نے اس سے پوچھا۔
 "تھک گئی ہو تو ہم یہاں رک جاتے ہیں۔"

جیل ذرا جھک کر چل رہی تھی۔ وہ ایک دم سیدھی ہو گئی کہنے لگی۔
 "میں نہیں ہٹاؤں گی۔"

جب اس نے نکل کر چھوٹی نہر میں پہنچا تو وہاں ایک پر پتھر تھا۔
 بچے کھا جھک تھا۔ میں نے پوچھی لیا۔
 "بچے یا کچھ نہیں ہے۔"

جیل کا چہرہ ابھری رات میں ابھر رہا تھا۔ مجھے محبت اپنی لگا۔ اس نے سانس بھر کر
 کہا۔

"کچھ نہیں ہے۔ میں چلتی ہوں۔"

اس میں ابھرتے ہوئے مجھے لگا کہ میں اس کی بات سے واقف تھا۔ اس نے
 کھینچا اور کہا۔

"وہاں میں چلیں گی کہ تیرے لیے یہاں سے کچھ نہیں ہے۔ یہاں سے کچھ نہیں ہے۔
 شیش سے وہاں سے کچھ نہیں ہے۔"

کلوری صبر کے کنارے پلے پلے رک کر رہی۔

"آگے چلوں گا میں ہے۔ ہم وہاں سے نہر پار کریں گے۔"



کہنے لگی۔

”میں اسے تلاش کرنے جاتی ہوں۔“

[illegible][illegible][illegible]

”ہم پاکستان کا بارڈر کس طرح کراس کریں گے؟ پاکستان پاور فودس کے آڈیٹر
ٹائٹلک نہیں کریں گے؟“

میں نے کہا۔ ”ہاؤڈ کر اس کرنا میرا کام ہے تم بے فکر رہو۔“

وہ بیڑا کی۔

”پھر پھر تو اس وقت میں جب ملک نوپس لے گئے تھے۔
 کر اکل جانا نہیں ہو سکتا۔
 میں — ۱۱ —

”کچھ نہ کچھ تو گناہی ہے مگر آخر میں اپنے لیے سزا کا بدلہ لے لیں۔“ وہ بڑے سکون سے کہنے لگی۔

”ایک بار پھر سوچ لو۔ ساتھیوں کے قہقہے۔“

اس نے کہا۔۔۔ مجھے کیا خبر، اگر مجھ سے کچھ ہو چکا ہو۔۔۔

”اگر ایک میں بچہ نکلاں تو میں نے کیا؟“
 ہم ان کے ہاتھ میں آئے۔ ان کے دل میں وہی شے تھی۔

سنا ہو گیا کہ وہ کسی حادثہ کا شکار نہ ہو گئی ہو۔ میں نے جیلہ سے کہلا۔
 ”کلوری نے اتنی دیر کہاں لگا دی ہے۔“

وہ کہنے لگی۔

”میرا نہیں خیال کہ اب وہ واپس آئے۔ وہ جس سانپ کی بوسہ لگے کر اس سے چمپا پھرنے لگی تھی وہ کلویری سے ہزار گنا زیادہ چالاک سانپ ہے۔ اس نے کلویری کو مار دیا ہو گا۔“

42.5

”ہم تھوڑی دیر اور انتظار کر لیتے ہیں۔“

"تم نے بڑی بہادری کا ثبوت دیا ہے کرم دادا تمہاری داستان آرام سے بیٹھ کر سنو۔"

میں نے پوچھا۔

"کیا تم ہو گئے جا رہے ہیں؟"

"جی ہاں" میں نے کہا۔ "میں یہاں سے جاتا ہوں۔"

"اگرچہ میں یہاں سے جاتا ہوں۔"

"میں نے یہاں سے جاتا ہوں۔"

"میں نے یہاں سے جاتا ہوں۔"

"میں نے یہاں سے جاتا ہوں۔"

"میں نے یہاں سے جاتا ہوں۔"

"میں نے یہاں سے جاتا ہوں۔"

"میں نے یہاں سے جاتا ہوں۔"

"میں نے یہاں سے جاتا ہوں۔"

"میں محفوظ ہو گئے۔"

"حق صاحب نے گفتگو کاٹ کر دیا۔ دوسری بار میں دہانے سے اندر برآمدے کی بجلی دیکھ کر ہنسی۔ کسی مرد کی آواز آئی۔ "میل کون ہو؟"

"حق صاحب نے کہا۔"

"حق صاحب نے کہا۔"

"حق صاحب نے کہا۔"

"اور میں نے یہاں سے جاتا ہوں۔"

"حق صاحب نے کہا۔"

"حق صاحب نے کہا۔"

"حق صاحب نے کہا۔"

"حق صاحب نے کہا۔"

"حق صاحب نے کہا۔"

"حق صاحب نے کہا۔"

"حق صاحب نے کہا۔"

"میں نے یہاں سے جاتا ہوں۔"

"میں نے یہاں سے جاتا ہوں۔"

"حق صاحب نے کہا۔"

"حق صاحب نے کہا۔"

"حق صاحب نے کہا۔"

جب شام کا اندھیرا ہو گیا تو جیل نے مجھ سے کہا۔

"کیوں نہ تھوڑی دیر باہر چل پھر لیں۔ میں تو یہی بیٹھی بیٹھی بور ہو گئی ہوں۔"

میں نے کہا۔ "مستحق صاحب نے باہر نکلنے سے منع کر رکھا ہے۔"

وہ بولی۔

"شام ہو گئی ہے یہاں اندھیرے میں ہمیں کون دیکھے گا آؤ تو ہمیں۔"

میں نے کہا۔ "جیلر صاحب نے منع کر رکھا ہے۔"

میں نے کہا۔ "جیلر صاحب نے منع کر رکھا ہے۔"

اس طرح جیل کی طبیعت ہمیں چاہے تھی۔ میں نے کہا۔ "جیلر صاحب نے منع کر رکھا ہے۔"

غیر آباد کھانا میں تھا جس کو تاریخی نام ہے۔ میں نے کہا۔ "جیلر صاحب نے منع کر رکھا ہے۔"

میں نے کہا۔ "جیلر صاحب نے منع کر رکھا ہے۔"

میں نے کہا۔ "جیلر صاحب نے منع کر رکھا ہے۔"

میں نے کہا۔ "جیلر صاحب نے منع کر رکھا ہے۔"

میں نے کہا۔ "جیلر صاحب نے منع کر رکھا ہے۔"

میں نے کہا۔ "جیلر صاحب نے منع کر رکھا ہے۔"

میں نے کہا۔ "جیلر صاحب نے منع کر رکھا ہے۔"

میں نے کہا۔ "جیلر صاحب نے منع کر رکھا ہے۔"

میں نے کہا۔ "جیلر صاحب نے منع کر رکھا ہے۔"

میں نے کہا۔ "جیلر صاحب نے منع کر رکھا ہے۔"

میں نے کہا۔ "جیلر صاحب نے منع کر رکھا ہے۔"

میں نے کہا۔ "جیلر صاحب نے منع کر رکھا ہے۔"

میں نے کہا۔ "جیلر صاحب نے منع کر رکھا ہے۔"

میں نے کہا۔ "جیلر صاحب نے منع کر رکھا ہے۔"

میں نے کہا۔ "جیلر صاحب نے منع کر رکھا ہے۔"

"جیل رات کے وقت ایسی جگہوں پر نہیں جایا کرتے۔ کیا خبر وہاں کوئی جن بھوت

ہو۔ ایسی جگہیں آج بھی ہوا کرتی ہیں۔"

اس نے کہا۔ "جیلر صاحب نے منع کر رکھا ہے۔"

کی طرف سے کہا۔ "جیلر صاحب نے منع کر رکھا ہے۔"

رہے تھے۔ میں نے کہا۔ "جیلر صاحب نے منع کر رکھا ہے۔"

اب وہاں کوئی بھی نہیں آتا۔ میں نے کہا۔ "جیلر صاحب نے منع کر رکھا ہے۔"

"جیلر صاحب نے منع کر رکھا ہے۔"

مکان میں آکر وہ ہستری لیت لگی اور یہ دوسرا طرف کر لیا۔ میں بچن میں چلا گیا

جس کا نام پورا کا تھا۔ میں نے کہا۔ "جیلر صاحب نے منع کر رکھا ہے۔"

پھر وہاں سے گذر کر آگیا۔ میں نے کہا۔ "جیلر صاحب نے منع کر رکھا ہے۔"

"میں نے کہا۔ "جیلر صاحب نے منع کر رکھا ہے۔"

باقی میں ہے۔ میں نے کہا۔ "جیلر صاحب نے منع کر رکھا ہے۔"

اپنے بچن کے نکلنے سے اسی طرح دیکھا ہے۔"

سپین کے نام سے میں چلا۔ میں نے کہا۔ "جیلر صاحب نے منع کر رکھا ہے۔"

"میرے سردار کی سپین ہوئی کون تھی؟"

چچا خیر دین بولا۔

"میں نے کہا۔ "جیلر صاحب نے منع کر رکھا ہے۔"

رہتا تھا تو ایک بار میرے سردار ہو کر نے یہاں پڑا ڈال رکھا تھا۔ میں سپین کی ہستی

تھی۔ اس نے ایک سپین کو دیکھا جو بہت خوبصورت تھی۔ سردار ہو کر نے اس سے

شادی کر لی۔ کہتے ہیں شادی کی پہلی رات سپین کو کسی ناگ نے ڈس دیا اور وہ مر گئی۔

لوگ کہتے ہیں کہ یہ ناگ اسی سپین سے محبت کرتا تھا جو خود بھی ایک ناگ تھی۔ سردار

چنانچہ اس گھنڈر کو لوگ ناگن کی مڑی کہہ کر بھی پکارتے ہیں۔

میرے دل میں طرح طرح کے خیال آنے لگے۔ جیلہ پر سانپوں کے جو منتر پھونکے گئے ہیں کہیں انہوں نے اپنا اثر دکھانا شروع تو نہیں کر دیا۔ میں پریشان سا ہو کر واپس کمرے میں آیا تو جیلہ سو رہی تھی۔ رات بھر میں پوری طرح سے نیند نہ لے سکا مشتاق صاحب نے رات کو آتے ہوئے کہا کہ تم کو سوئے ہو۔ آپ کے ہاتھ کے تھکے ہوئے ہونگے۔

”گلے میں جاتی فریاد احمد سے تم کو بات دینی ہے۔ میں نے انہیں صاف بتا دی تھی۔ سوئے ہوئے کہہ رہا ہے۔ میری دیکھو میں نے کچھ رو کر دیا۔“
دیر میں یہاں معلوم ہوا کہ انہوں نے اپنی طرف سے کچھ نہیں کیا۔
”ہوں۔“
کچھ ایدیت نہ گئی تھی۔

مشتاق صاحب نے مزید کہا۔ ”عاطقی صاف ہے۔ وہ میرے دل میں آتی ہے۔“
ہوئی ہے۔ وہ سب سے زیادہ اچھے ہے۔“

میں نے باتوں باتوں میں مشتاق صاحب سے کچھ سیریاں مڑی ہیں۔ بعد کے بارے میں پوچھا تو بولے۔

”ارے میں یہاں سطل سے پتے۔ میں نے اپنی سفل سے دوران مائل تھی۔ رات کے اس گھنڈے میں کی چٹائی۔ یہ ناگنہ سفل سے رات کے گھنڈے میں۔“
پھر اس نے بلی کی مڑی بتادی۔
میں نے کہا۔

”میں نے سنا ہے کہ یہ کسی سیریاں کی مڑی ہے جو اصل میں ناگن تھی۔“

مشتاق صاحب قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔ بولے۔

”بھائی کرم دادا دلی میں ہمیں بڑے داستان کو ملیں گے۔ ہر ایک کے پاس ہی کمانی ہوگی۔ اس گھنڈر میں دن کے وقت ایک کھار اپنے گھر سے باز رہتا ہے۔ بے شک جا کر دیکھ لو۔“

مشتاق صاحب پر مجھے اچھا لگا۔ ان کی باتوں نے میرے توجہات کو میرے ذہن سے نکال دیا۔ میرا یہ شک بھی ختم ہو گیا کہ جیلہ پر سانپ منٹروں کا اثر نمودار ہونا شروع ہو گیا ہے۔ دراصل میں جن حالات سے گزر کر آیا تھا اور جن حالات میں پھنسا ہوا تھا یہ ان کا تقاضا تھا کہ میرے دل میں اس قسم کے شک پیدا ہوں۔

مشتاق صاحب نے مجھے یہ بھی بتایا کہ ان کا وہ آدمی جو دلی کے سب سے بڑے بدعنوان شخصوں میں سے ایک ہے۔ اس کا نام ڈاکٹر ہے۔

میں نے کہا۔ ”کیا کہہ رہا تھا؟“

مشتاق صاحب نے کہا۔

”اس سے تو کہیں۔“ میں نے کہا۔ ”جیلہ پر کچھ وہ میرا پر واقف رہا ہے۔“
میں نے نہ کسی باتوں میں اس سے کمر کی چیز کہا۔ یہ تو وہ ہیں۔ کاش میں صاف وہ عورت تو شری نے اسے کہا۔ اس نے اس سے کہا۔ ”میں نے اس سے کہا۔“
دیکھو اس نے اس سے کہا۔ اس نے اس سے کہا۔ اس نے اس سے کہا۔

میں نے پوچھا۔ ”Free pulp Library“

”آپ نے اور کیا کچھ معلوم کیا؟“

”یہ بھی بتایا۔“ میں نے کہا۔ ”اس نے خاص بہتوں کو خصل پر لایا۔“
گھنڈے میں اس نے کہا۔ ”اس نے کہا۔“
گری کے پاس پہنچا دیں یہ تو اس کے گمان میں نہیں ہے کہ تم لوگ دلی آگئے ہو گے۔“

یہ بھی ایک دھڑکا مجھے لگ گیا۔ میں نے مشتاق صاحب سے کہا۔

”مشتاق صاحب! میرا تو خیال ہے کہ ہمیں جتنی جلدی ہو سکے گلے چلے جانا چاہیے۔“
یہاں شرح راج کو ہماری بول گئی تو مجھے خضر ہے کہ کہیں جیلہ پھر اغوانہ ہو جائے۔ میں یہاں اچھی ہوں۔ سوائے آپ کے مجھے یہاں کوئی نہیں جانتا اور اس بدعنوان شری راج کے ہاتھ بڑے لمبے ہیں۔“

دیکھا۔ مجھے کچھ نظر نہ آیا۔ نیچے مارکی ہی مارکی تھی۔ میں پیچھے ہٹ گیا۔ جیسے ہی میں چند قدم پیچھے ہٹا میں نے دیکھا کہ ایک سیاہ رنگ کا دو تین فٹ لمبا سانپ شگاف سے نکل کر سر کنڈوں کی جھاڑیوں کے درمیان سے ہوتا ہوا میدان کی طرف رینگنے لگا۔

میں سانپ کو دیکھنے لگا۔ سانپ میدان میں تیزی سے رینگتا ہوا اس طرف جا رہا تھا جس طرف دو درختوں کے درمیان میں ایک بیلہ ٹھہر چکا تھا۔

ایک دم تیز ہوئی مگر۔ پہلے مجھے کچھ نظر نہ آیا۔ میں نے سانپ کو دیکھا۔

ہلاک کر کے۔ یہ اس کے پیچھے کا دھبہ تھا۔ سانپ نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

میں اس کی طرف دوڑا۔ میں نے زمین پر چپے پڑا ہوا سانپ کو دیکھا۔

مارا۔ ایک سانپ مجھ سے بڑھ کر تیز تھا۔ وہ مارا۔ سانپ نے قوت سے

ساتھ جا رہا تھا اس لیے میرا وار خانہ۔ سانپ کا سر ڈھکے ہوئے تھا۔ میں نے

یہ کیسے برداشت کر سکا تھا کہ سانپ میری۔ سانپ نے قوت سے

کہ جیلہ کے۔ سانپ نے قوت سے

ہاتھ میں آگیا۔ میں نے قوت سے

ہاتھ آگئی۔ میں نے قوت سے

سہانے کے نیچے سے ریو اور نکل کر اسے چپک کیا اور بندہ روم سے نکل کر برآمدے میں آگیا۔ میری نگاہیں ادھر ادھر سانپ کو تلاش کر رہی تھیں۔ مگر سانپ کہیں دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ ریو اور میں نے جیب میں رکھ لیا۔ لیکن میں سے بوڑھا خیر نکل آیا۔ اس کے ہاتھ میں پتی کا تسلا تھا۔ پتی ایک طرف پیٹنگ کر اس نے مجھ سے پوچھا۔

”حضور چائے لے آئیں۔“

میں نے کہا۔ ”ابھی توڑی دیر ضرور چلا۔“

وہاں۔ میں نے قوت سے

نے اس کے۔ سانپ نے قوت سے

جیلہ کے۔ سانپ نے قوت سے

میں نے قوت سے

میں نے قوت سے

میں نے قوت سے

میں نے قوت سے

میں نے قوت سے

میں نے قوت سے

مکھول کر کرے میں آئی۔ اٹھلی جینس کے آدمی نے جیلہ کی طرف دیکھا اور بولا۔
 ”بہت خوب تمہارے ساتھ ایک عورت بھی ہے؟ یہ بھی ہمارے ساتھ جائے گی۔“
 اس نے پستول کی ٹٹل کا رخ جیلہ کی طرف کر کے کہا۔
 ”تم بھی آ جاؤ۔“

”سہارا ج میں صرف یہ کہتا چاہتا ہوں کہ آپ غلط جگہ پر آگئے ہیں۔ میں وہ آدمی نہیں ہوں جس کی آپ کو تلاش ہے۔“

”کیونکہ اس بندہ کو۔۔۔“

”آپ نے کمرہ خوب گرم کر رکھا ہے کیا آپ یہاں اکیسے رہتے ہیں؟“ میرا ماتھا ٹکا مشتاق صاحب کا بچہ ہوا آدمی اس قسم کے سوال نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے کرسی پر بیٹھے ہوئے کہا۔

۱۰ آدمی جس تک بددعا سے اس کی عزت نہ رہے کچھ یہ کہہ کر
 قتل اور بے رحمی میں کود

تھیں خط لکھی ہوئی ہے میں پتہ تان آدمی کا اس میں ہوں اور۔ تان آدمی کو
معارف قیدی ہوں۔ شعلہ صبر۔ صبر۔ میں تان میاں کی ہوں۔ دلی
مل نزیہ۔ تان ہوں اور مشتاق صاحب۔ میں خیر ہوں۔ میر۔ تان آدمی
ہے کوئی تعلق نہیں ہے۔

”زیادہ چلاک بننے کی کوشش نہ کرو۔ ہماری انٹیلی جنس نے ہمیں تمہاری رپورٹ دی ہے۔ تمہارے لیے یہی بہتر ہے کہ چپ چاپ میرے آگے لگ کر باہر آ جاؤ۔ اگر تم نے اپنی صفائی میں کچھ کہتا ہے تو فوجی کوارٹر گارڈز میں ہمارے افسروں کے آگے کہنا۔ چلو باہر نکلو۔“

”جانی یہ لباس کسی نوکرانی کا تو نہیں ہو سکتا ایسی کوئی عورت یہاں نہیں آئی۔“
 میں بوجھل دل اور پریشان دماغ کے ساتھ وہاں سے واپس ہو گیا۔ دماغ سنسنار رہا تھا۔
 وہ عجیبہ کمال چلی گئی؟ کیا اسے کوئی ورغلا کر لے گیا ہو گا؟ مگر وہ ایسی عورت نہیں ہے۔
 کہیں اسے پولیس پکڑ کر نہ لے گئی ہو۔ ایسا ہو سکتا تھا کہ جس سی آئی ڈی واسلے کو میں
 نے قتل کیا تھا پولیس اس کی تلاش میں وہاں آگئی ہو اور جیل کو پکڑ کر تھانے لے گئی ہو۔
 اس خیال سے میرا دل صدمہ بردار ہو گیا۔ اگر ایسی بات ہو گئی تو پھر سیدہ امیں پتیس دن
 درگت سے تھکے ہوئے لاشوں کے آگے آئے۔ تھکے ہوئے پتیس گھنٹے بھی تو گزر گئے۔
 کی اور میں نہیں ہے۔ اس سیرے میں وہاں کے نوکریوں میں سے ایک اور عورت بھی
 میرے لائیو سٹاک لے گئی۔ اس نے اسے لائیو سٹاک لے کر لے گیا۔ اس کا
 ایک ہی طریقہ تھا کہ میں اس کے مشرقی المیہ صاحبہاں سے ملنے کوں نہیں لے
 چھوڑ اور ان سے کہیں۔ وہ پہلے تو حیرت منگاتے۔ مگر بعد میں سمجھ جاتے۔
 پولیس کی حراست میں تو میں ہے۔

میں۔ کالج میں اپنے دن میں وہاں کے نوکریوں میں سے ایک اور عورت بھی
 صاحبہ کو قتل کر کے بے گناہ کر دیا۔ اور اسے اپنے سیدہ چاروتہ تھکے ہوئے اور
 کر کے لائیو سٹاک لے کر لے گیا۔ اس نے اسے لائیو سٹاک لے کر لے گیا۔ اس کا
 روشنی ہوئی تھی۔ اس نے اسے لائیو سٹاک لے کر لے گیا۔ اس کا
 میں جلدی عدلی پٹے سے چل رہی تھی۔ وہاں میں تھکے ہوئے اور
 انھیں سے میں بچے ایک درگت سے بیچے ایک اور عورت ایک فقیر و گھالی دیا۔ میں
 اس کے قریب سے گزرا تو اس نے مجھے آواز دی۔

”یہ تو تم اس ظالم کوادریں رہتے ہو؟ میں رک گیا۔ فقیر کے پاس آکر دھڑکتے دل
 کے ساتھ کھڑا۔“

”یہاں بیٹھ میں وہیں رہتا ہوں۔ کہیں کیا بات ہے؟“

”یہ تو لا۔“ ”تمہارے ساتھ ایک عورت بھی رہتی ہے؟“

کوادر کے دروازے میں آکر دور بھاریان کے تندور کی طرف نگہ ڈالی۔ تندور کی رائیں
 جل رہی تھیں۔ اس کا مطلب تھا کہ بھاریان روٹیاں لگا رہی تھیں۔ میں تیز تیز قدموں سے
 اس طرف چلنے لگا۔ دل میں خدا سے دعا کیں مانگ رہا تھا کہ یا اللہ پاک میری جیدہ تندور پر
 ہی ہو۔ جیسے جیسے تندور قریب ہو رہا تھا وہاں کا دھندلا منظر صاف ہوتا جا رہا تھا۔ تندور پر
 بھاریان روٹیاں لگا رہی تھیں اور اس کے سامنے دو کم عمر لڑکیاں بیٹھی تھیں۔ تندور میں
 آگ روشن تھی۔ اس نے چمب دھڑک رہی تھی۔ چمب سے چمب سے آگ نکلتی تھی۔
 نہیں تھی۔ میں نے سوچا شاید وہاں سے آگ نکلتی تھی۔ آگ نکلتی تھی۔
 دوسری طرف سے دوا کی طرف سے آگ نکلتی تھی۔ آگ نکلتی تھی۔ آگ نکلتی تھی۔
 کہ یہاں سے آگ نکلتی تھی۔ آگ نکلتی تھی۔ آگ نکلتی تھی۔ آگ نکلتی تھی۔
 چارپائی پر نہیں تھی۔ بھاریان۔ میری طرف راہنما کر رہا تھا۔
 ”ماں! روٹیاں لگ رہی ہیں!“

میں نے سیدہ امیں کو خدا کا شکر ادا کیا۔

”ہاں بہن جی۔ دو روٹیاں دے دیں۔“

سہرا۔ چمب سے آگ نکلتی تھی۔ آگ نکلتی تھی۔ آگ نکلتی تھی۔ آگ نکلتی تھی۔

میں نے اسے پیسے دیے اور پوچھ کر بظاہر بے نیازی سے پوچھا۔

”بہن جی! اور کوئی بڑی عورت تو روٹیاں لینے نہیں آئی تھی؟“

بھاریان۔

”بھائی یہاں تو چھوٹے بچے ہی روٹیاں کھا رہے ہیں۔ یا نام لے رہی ہیں۔“

بھاریان۔

میں نے پوچھی کہہ دیا۔

”ہاں! نوکرانی کو بھیجا تھا۔“

پھر میں نے اسے جیل کے حلیہ اور لباس اور خاص طور پر اس کی چادر کا رنگ اور

گرگلی کا بتایا تو وہ بولی۔

مشتاق صاحب کے جانے کے بعد میں نے وہ رات بڑے عذاب کی رات گزاری۔ بیدارم میں جملہ کے کچھ کہنے کو بھی پتہ نہ لگ رہے تھے۔ میری نگاہ ان کی طرف جاتی تو محال آنگھوں میں سے انتظار آنسو آجاتے۔ مجھے کچھ معلوم نہیں میں کب سویا کب جاگا۔

”اس نے ضرور شور مچایا ہو گا مگر لگتا ہے وہ دو تین آدمی تھے۔ انہوں نے جیل کو تھما کر لیا ہو گیا اور پھر اس دیران علاقے میں وہ شور بھی مچاتی تو کون سنتا تھا؟“

میں نے مشتاق صاحب کو بالکل نہیں بتایا تھا کہ جیل کو اغوا کرنے والا ایک سپہا تھا اور

خدا خدا کر کے معج ہوئی۔ میں نے کچن میں جا کر چائے پکائی اور وہیں پرانی سرسبز چائے پوائے جیسے زہرین کر حلق میں اتر رہی تھی۔ خیال بار بار جیلہ کی طرف جاتا تھا۔

ہوگی؟ کس حال میں ہوگی؟ وہ اپنی مرضی سے نہیں گئی۔ اسے شیطانی منہ زور سے اغوا کیا گیا ہے۔ خدا جانے سپیرا اسے لے کر کہاں چلا گیا ہوگا۔ اگر وہ شرعی رائج ہوگا تو

تو حنا کہ بقیہ، اب یہ کہ وہ لکھ کر کے آشرم میں منہاں، اس کا جس نے ا۔ ا۔ :
 س۔ س۔ ا۔ آشرم میں بار بار بیٹھ، جس کو اس نے دوس۔

پہلی بار کی آگن زدہ تیر چھوڑا گیا۔ دھنڑا سا ہے نہ یہ۔

”میں نے اپنے آپ کو بچا دیا۔“

انہی دنوں میں کہیں کہیں لڑائی ہو جاتی ہے۔

میں چھپا دیا۔ اب میں اسے اپنے حق میں لکھ رہا ہوں۔ اس کے بارے میں
اثر ان کے بارے میں ہے۔ وہ اس کے بارے میں ہے۔ اس کے بارے میں ہے۔

ملاقات سبب نہیں ہوتا۔ ملاقات محض ہوتا ہے۔ ملاقات یہ ہے۔

تمہیں اتنا گناہ ہے، میرا بھی یہاں کافی اور سوچو۔۔۔ میں تمہیں یہ سچا دکھائوں

جائے گا۔

”لیکن مجھے اب دوبارہ وسطی ہند کے خطرناک جنگوں میں واقع سنسادی مشن

طرف جانا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ جیلہ کو پجاری سپرا دیں گے کیا ہے۔ اس وقت مجھے

طرح یاد نہیں رہا تھا۔ اگر کلوری میرے ساتھ ہوتی تو وہ میری راہنمائی کر سکتی تھی۔

سے ایک شاید قتادیر تھا۔ اس کی مونچھیں تھیں۔ ظاہر ہے کہ تینوں ہندو ہی تھے۔ قتادیر ذرا آگے ہو کر کھڑا تھا۔ جوگی اپنی جگہ پر بڑے اطمینان سے آہنی پائی مار رہا تھا۔ مورتی کی پوجا کر رہا تھا۔ قتادیر نے کہا۔

”مہاراج ایک پاکستانی جاؤس بھاگ کر اس طرف آیا ہے۔ ہم اس کو پکڑنے آئے ہیں۔“

جوگی نے بلند اور رعب والی آواز میں کہا۔ ”تمہارا کیا نام ہے عورت؟“

”میرا نام جگن ناتھ ہے اور میں ہیڈ کانسٹیبل ہوں۔“ تعنید اور نے کہہ

جوگی نے کہا: "مہم تم نے لیکن پھر پوری کے دیو کا کار کا ہے اور اس کے پتے ہیں
پوچھا ہنگ کر رہے ہو؟ سو روکھ میں نہیں ہے۔" اس نے کہا: "میں نہیں
ہو جائیں گی۔ ان سو روکھوں کے لیے میں نے ایک سو روکھوں کے لیے
ہندو ہینڈ کائنٹیل نے کہا۔"

... ..

رہائے ہوں ست جہاں، اکبیر ارہ، فرخ رہ

”تو نے یہ سب کیا؟“ اس نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھا۔

"ناراض نہ ہوں مصرا�ہ اہم جاتے ہیں۔"

[illegible]

کوٹھڑی سے نکل گیا۔ جوگی نے کڑک کر کہا۔

”مور کا اکتیا کا دروازہ بند کرنا مت بھولنا۔“

ہندو ہیڈ کاسٹیل نے کیا سے نکلتے ہی دروازہ بند کر دیا۔ جوں نے دوبارہ پوچھا تو

سُح لردی۔ باہر سے پولیس کی گاڑی کے سارٹ ہونے کی آواز آئی۔ جب گاڑی ر

زورور جا کر عائب ہوئی تو جولی لے لیا۔ "مورہا لٹھ لے چے سے باہر نکل آ۔"

میں نے خدا کا سزا دیا کہ اسی ہوئی بلا مل گئی تھی۔ میں اس بات پر بڑا سیران ہوں۔

[illegible]

مجموعہ کتابیں علی گڑھ میں تیار ہوئیں۔ اس سبب ایبٹ آباد کے

(۱)۔ آپ اریب۔ بیٹے آپ شمر۔ خاں میری طرف ص ۶ درج۔

”سور کا اسکرپٹ پنے ۶۴“

میں نے کہا۔ ”مہاراج! میں سگریٹ نہیں چرتا۔“

جوگی نے کہا۔ ”مور کھا یہ چرس والا سگریٹ ہے۔ پی لے۔ مارے جنم روشن ہو

جا نہیں گئے۔



بازر کر اس کر کے لکھتے پہنچ گیا۔ اب اپنی بیوی کی تلاش میں در بدر مارا مارا پھر رہا ہوں۔
پولیس نے ایک بار مجھے پاکستانی جاسوس سمجھ کر پکڑ لیا میں فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔
اب وہ میرے پیچھے لگی ہوئی ہے۔ بس یہ ہے میری رام کہانی۔ میں تو مصیبت کا مارا ہوا
ہوں۔“

جب میں جوتی کو اپنی داستان غم ستا رہا جوتی نے چرس والا سگریٹ پورے کا پورا پی
لیا۔ میں نے نہیں سنا ہو رہی تھی۔ میری اسکرین دوں دوں سن رہی تھی۔ کسی
وقت میں سمجھا جیسے کہ وہ وہاں پہنچ گیا تھا۔ میں پہلے وہاں پہنچنے
مجھ سے پہلے۔

جوتی نے کہا کہ میں نے اسے لے کر گئے تھے۔ اس نے کہا کہ میں نے اسے لے کر گئے تھے۔
میں نے کہا۔

”میں نے اسے لے کر گئے تھے۔ اس نے کہا کہ میں نے اسے لے کر گئے تھے۔
میں نے کہا کہ میں نے اسے لے کر گئے تھے۔“

میں نے کہا کہ میں نے اسے لے کر گئے تھے۔ اس نے کہا کہ میں نے اسے لے کر گئے تھے۔
میں نے کہا کہ میں نے اسے لے کر گئے تھے۔“

میں نے کہا کہ میں نے اسے لے کر گئے تھے۔ اس نے کہا کہ میں نے اسے لے کر گئے تھے۔
میں نے کہا کہ میں نے اسے لے کر گئے تھے۔“

جوتی آنکھیں بند کیے جیسے سرائیے میں جا چکا تھا۔ کافی دیر تک وہ اسی طرح آنکھیں بند
کیے بیٹھا رہا۔ دس پندرہ منٹ گزر گئے۔ پھر اس نے آنکھیں کھول کر مجھے دیکھا تو اس کی
آنکھیں دائیں کی روشنی میں سرخ انگارہ ہو رہی تھیں۔ وہ مجھے غلطی باندھے دیکھ رہا تھا۔
کہنے لگا۔



میں نے کہا کہ میں نے اسے لے کر گئے تھے۔ اس نے کہا کہ میں نے اسے لے کر گئے تھے۔

”میں نے کہا کہ میں نے اسے لے کر گئے تھے۔ اس نے کہا کہ میں نے اسے لے کر گئے تھے۔“

میں نے کہا کہ میں نے اسے لے کر گئے تھے۔ اس نے کہا کہ میں نے اسے لے کر گئے تھے۔
میں نے کہا کہ میں نے اسے لے کر گئے تھے۔“

میں نے کہا کہ میں نے اسے لے کر گئے تھے۔ اس نے کہا کہ میں نے اسے لے کر گئے تھے۔
میں نے کہا کہ میں نے اسے لے کر گئے تھے۔“

میں نے کہا کہ میں نے اسے لے کر گئے تھے۔ اس نے کہا کہ میں نے اسے لے کر گئے تھے۔
میں نے کہا کہ میں نے اسے لے کر گئے تھے۔“

”مورکھ ہو۔ میرے آگے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی۔ ہم استراہی کے ہیں۔
ہیں سب کچھ دیکھ لیتے ہیں۔ تمہاری جتنی کو ایک دھشت پیرا اپنے ساتھ لے گیا ہے۔
تمہاری جتنی اپنی مرضی سے اس کے ساتھ گئی ہے۔“

جب میں نے دیکھا کہ اس شخص کو سب کچھ معلوم ہو گیا ہے اور یہ میرا ہمدرد بھی ہے
تو میں نے اسے ساری کہانی کھول کر بیان کر دی۔ جب تک میں اپنی چٹانوں پر رہا
مکرا۔۔۔

”میرا جیسا کہ تم نے کہا ہے۔ وہاں وہاں کے لوگ آپ میں
میں نے عرض کی۔

”سہارا جی امیری بیوی۔۔۔ اور تم سے اترے۔۔۔“

میں بچل گیا۔۔۔ وہاں وہاں کے لوگ آپ میں
وہاں وہاں کے لوگ آپ میں
میں بچل گیا۔۔۔ وہاں وہاں کے لوگ آپ میں
وہاں وہاں کے لوگ آپ میں

میں نے۔۔۔

”میں میں۔۔۔“

جوگی کے چہرے پر وہی بے معلوم سی مسکراہٹ تھی۔ کہنے لگا۔
”مورکھ! ہم کسی پر احسان نہیں کرتے۔ احسان تو سند میں رہنے والے لوگ
ہیں۔“

میں نے پوچھا۔
”سہارا جی! اپنے گیارہ سے معلوم کیجئے کہ میری جتنی کہیں ہے۔ اگر وہ پاگل میں بھی
ہوئی تو میں اسے وہاں سے نکال آؤں گا۔“

جوگی نے مسکراتے ہوئے کہا۔
”مورکھ ہو۔ تم اپنی جتنی کو پاگل سے نکال لرا سکتے ہو مگر تمہاری جتنی پاگل میں نہیں

ہے۔“

”پھر کہاں ہے سہارا جی؟“ میں نے سہے جتنی سے پوچھا۔
جوگی ایک بار پھر گیارہ دھیان کی حالت میں چلا گیا۔ کافی دیر وہ اسی حالت میں بیٹھا رہا۔
پھر آنکھیں کھولیں اور کہنے لگا۔

”مورکھ! تمہیں تو یہ توپ مگر میں نے۔۔۔“

”میں نے توپ۔۔۔“

”مورکھ! تمہیں تو یہ توپ مگر میں نے۔۔۔“

”مورکھ! تمہیں تو یہ توپ مگر میں نے۔۔۔“

”مورکھ! تمہیں تو یہ توپ مگر میں نے۔۔۔“

”مورکھ! تمہیں تو یہ توپ مگر میں نے۔۔۔“

”مورکھ! تمہیں تو یہ توپ مگر میں نے۔۔۔“

”مورکھ! تمہیں تو یہ توپ مگر میں نے۔۔۔“

”مورکھ! تمہیں تو یہ توپ مگر میں نے۔۔۔“

”مورکھ! تمہیں تو یہ توپ مگر میں نے۔۔۔“

نے چاقو نکال دیا تھا اور چوڑے پر کھڑا ہو گیا تھا۔ بن مانس چوڑے کے پاس آنے لگا اور دانت نکال نکال کر حلق سے عجیب و غریب قسم کی آوازیں نکالنے لگا۔ قریب قریب مجھ پر حملہ کر دیتا کہ اچانک ایک جانب سے کسی عورت کی آواز آئی۔

"پوتن پتا بھاگ جا، بھاگ جا۔"

دو ختوں میں سے ایک عورت نکل کر سامنے آگئی۔ اس نے جسم پر صرف ایک رنگ کی ... عورت کی آواز پر بن مانس واپس چلا گیا۔ میں نے چاقو ... ادب سے اس عورت سے کہا۔

"دیوی جی! کیا آپ ہی کا شیخ نام ملا، دیوی جی!"

اس دوران وہ عورت ... شہنشاہ ... "کیا ... میں ...

"جی ہاں دیوی! مجھے بن داسی ہوئی کی تمہارے پاس بھیجا ہے۔"

"بیٹہ۔"

میں آگ کے جمونے سے الٹا کی ایک جانب ہو کر بیٹھ گیا۔ جو گن کیا کے ... جی۔ باہر آئی تو اس نے ہاتھ میں ناشت تھی جو روشن تھی۔ وہ اندر سے ... تھی۔ "لین کہ اس نے کیا کے باہر دروازے کے پاس نکالیں۔ لائیں اور ... وجہ سے وہاں اتنی روشنی ہو گئی کہ میں جو گن کو اچھی طرح دیکھ سکتا تھا۔ وہ میرے سامنے ایک چوکی پر بیٹھ گئی۔

وہ جوان اور صحت مند عورت تھی۔ رنگ گہرا سا نکلا تھا۔ سیاہ بالوں کا اس نے پیچھے جوڑا بنایا ہوا تھا۔ گلے میں جوگیوں والی مالا تھی۔ جسم پر صرف گہرے رنگ کی ایک دھوئی

ی تھی جس کے ایک پلو سے اس نے جسم کا اوپر والا حصہ ڈھانپ رکھا تھا۔ اس کا جسم جگہ جگہ سے دکھائی دے رہا تھا۔ کہنے لگی۔

"میں نے رات کو ہی گیلن دھیان سے معلوم کر لیا تھا کہ تم میرے گوردیو کے حکم سے یہاں آ رہے ہو۔ تمہارا نام کیا ہے؟ تمہارا دھرم کیا ہے؟"

میں نے ... مختصر ... میں ... نوئی ...

"میں ... ان ... ایسے ... " ...

مجھے ... شہنشاہ ... " ...

وہ ناشت ... ی لپٹی ہوئی تھی۔ وہ اس کے پاس میرے سامنے بیٹھ گئی۔ چلم بھری ہوئی تھی۔ اس نے اس سے ایک جلتی ہوئی نشتی سے ایک نگارہ نکال کر چم کے اوپر رکھا۔ کپڑے کی دھجی والا جسم کا حصہ دونوں ہاتھوں میں لے کر منہ کے ساتھ نکالا اور زور زور سے کٹھ لگانے لگی۔ میرا خیال تھا کہ چم میں تمباکو ہو گا مگر جب دھواں نکلا تو اس کی بو سے معلوم ہوا کہ نیم میں چرس بھری ہوئی تھی۔ چھ سات لمبے لمبے کٹھ لگانے کے بعد جب چلم میں سے ایک سات نکلی تو جو گن نے منہ سے دھواں نکالتے ہوئے چم اپنے پاس ہی ایٹھ کے

نہیں جاسکتا تو میری بیوی کو لے کر وٹس پیسہ ادا کیسے چلا گیا؟“
 ”جنگن مکرانی۔ کہنے لگی۔

"یہ ایک راز ہے۔ تمہیں صرف اتنا ہی بتاؤں گی کہ ضرور انویسٹمنگ کرو، یہ سب کو تمہاری بیوی پسند آگئی ہوگی۔ دھشت پیرامایو کا خلاص آدمی ہے۔ جب سرمایہ بنی رہا
پارک کی کوئی عورت پسند آجاتی ہے یا اس کے کوئی گن پسند آجاتے ہیں۔ وہ دھشت
.....
.....
.....
.....
.....
.....
.....
.....

[illegible]

”مجھے چاہیے کہ تم میرا ہر حکم مانو گے پھر میں تمہاری جتنی تمنا کرے حوالے کر دوں۔“

وہ بولی۔
 ”یاد رکھو اگر تم اپنے دین سے بچر گے تو تم اور تمہاری بیوی جہاں بھی سوئے میں دیکھ
 بچ کر تم دونوں کو اپنے ترشول سے ہلاک کر دوں گی۔“

”دیکھو جی! میں جتنا دیتا ہوں اور میں اپنے حق پر قائم رہوں گا۔“

وہیں مسکراتی تھی۔ اس کی مسکراہٹ میں عجیب قسم کی پراسرار دعوت تھی۔ یہ دعوت جوان خوش شکل اور صحت مند تھی مگر میرے لیے حرام تھی۔ میں صحت آزمائش میں پہنچا تھا۔ میں نے دس میں خدا کے حضور دعا مانگی کہ اے خدا! مجھے اس آزمائش میں پورے نیک و صالح قرار دے۔ اے خدا! میں اس نے اور تجاویز اور درخواستوں کو سبھی شاخیں میں دیکھ رہا ہوں۔ ایک بار پھر چھوٹے چھوٹے شعلے بلند ہونے لگے۔ جو مگر نے جس میں میرے لیے ایک نیا عالم کھلا۔

[illegible]

بقیہ - میں کام دیو کی چیل ہوں۔ کام شاستر
کے لئے ہے۔

و شو بہت کا مطلب اس وقت میری سمجھ میں نہیں آتا تھا میں اس کہ سمجھ ہی

میں چاہتا تھا۔ مجھے تو صرف ایک ہی فکر کا ہوا تھا کہ چاہے میری جہاں بھی جائے ترکی
میں ایسی جگہ کو ان وحشی قسم کے لوگوں کے ہاتھوں سے ہاتھوں سے نکال کر اسے پاکستان بنائی دوں۔
اس جو سن نے مجھ سے بچنے کے لیے کہ میں اس کے مسلم بنی قبیلہ کروں گا تو وہ انھیں

”تھوڑا اور کمالو تمہیں بھوک لگی ہوگی۔“

میں اس میں دن۔ جوئی کو کوس رہا تھا کہ اس نے مجھے کس مصیبت میں ڈال دیا ہے۔ میرا دم ومان میں بھی نہیں تھا کہ اصل مصیبت ابھی آنے والی تھی یہ نہ سمجھتا تھا۔ اصل ہزارہہ عید شروع ہونے والا تھا۔ میں جلدی سے اٹھا اور دھوئی پلا کر رخصت ہو گیا۔ کو باہر تھی شہر سردی۔ کمرے کے گرد ایک بل لپٹا تو جو کھن نے مجھے پلا کر اپنے کمرے میں لے گیا۔

۱۰
 ۱۱
 ۱۲
 ۱۳
 ۱۴
 ۱۵
 ۱۶
 ۱۷
 ۱۸
 ۱۹
 ۲۰
 ۲۱
 ۲۲
 ۲۳
 ۲۴
 ۲۵
 ۲۶
 ۲۷
 ۲۸
 ۲۹
 ۳۰
 ۳۱
 ۳۲
 ۳۳
 ۳۴
 ۳۵
 ۳۶
 ۳۷
 ۳۸
 ۳۹
 ۴۰
 ۴۱
 ۴۲
 ۴۳
 ۴۴
 ۴۵
 ۴۶
 ۴۷
 ۴۸
 ۴۹
 ۵۰
 ۵۱
 ۵۲
 ۵۳
 ۵۴
 ۵۵
 ۵۶
 ۵۷
 ۵۸
 ۵۹
 ۶۰
 ۶۱
 ۶۲
 ۶۳
 ۶۴
 ۶۵
 ۶۶
 ۶۷
 ۶۸
 ۶۹
 ۷۰
 ۷۱
 ۷۲
 ۷۳
 ۷۴
 ۷۵
 ۷۶
 ۷۷
 ۷۸
 ۷۹
 ۸۰
 ۸۱
 ۸۲
 ۸۳
 ۸۴
 ۸۵
 ۸۶
 ۸۷
 ۸۸
 ۸۹
 ۹۰
 ۹۱
 ۹۲
 ۹۳
 ۹۴
 ۹۵
 ۹۶
 ۹۷
 ۹۸
 ۹۹
 ۱۰۰

جائے۔"

دو لڑکی۔

”وہاں جاؤ، چمراں، اور بدوقیں کلام نہیں آئیں گی۔ آپ بکرو دیو، ان کے
 ہے۔ وہاں کی دنیا کچھ اور ہی ہے۔ میرے ساتھ جاو گے تو سب معلوم ہو جائے گا۔
 جاتے تو راستے میں ہی ختم ہو جاتے۔“
 میں نے کہا۔

"ہم آج رات کو ہی نہ اس مہم پر نکل چلیں؟"

”نہیں مورو! ہم کل ہی جائیں گے۔ آج رات میں کام دیوتا کی پوجا کروں گی۔ کام دیوتا کو رجموں کی تاکہ آپ نگر کے دیوتا مہادیو کے خلاف وہ میری مدد کرنے پر راضی ہو جائے اور مجھے مہادیو سے انتقام سے بچائے۔ میں مہادیوتا سے اس کی چیتنی اپسرا اور شاہی نالہ کی طرح ہوتی ہوں۔ اگر مہادیوتا سے ہمت نہ ہوتی تو مہادیو کو جلا کر جسم کر ڈالتے۔“

[illegible]

”مرا کیوں جاتا ہے“ تھوڑی دیر کے لیے بیٹھ جا بیٹھ جا۔“

دی۔ اس کی آنکھوں میں دنیا جہنم کا شمار تھا۔ کئے تھے

تیس سال کے عرصہ میں اپنے نام پر چھپتے تھے۔ صفائی و صاف
کراہتے تھے۔ ان کا ہر انداز دلچسپی اور ان کی سادگی و رام
چندوں نے ساتھ لڑ لٹکا کر چڑھا لی گی اور لٹکا لو آگ لگا دی گئی۔ تب سے بندوں
نے اندر ایک نئی شکتی پیدا ہو گئی ہے۔ ان کے پاس ایسی ایسی خفیہ طاقتیں ہیں کہ اگر
خود کو کسی بین بن یا بوز بندہ سے خودی کر لے تو وہ کبھی بوڑھی نہیں ہوتی۔ اس کے
بال کبھی سفید نہیں ہوتے نہ ہی اس کے جسم پر جھریاں پڑتی ہیں۔ تم نے میرا جسم دیکھا
ہے۔ تمہیں ایک بھی جھری نظر نہیں آئی ہوگی۔ پانچ برس سے یہ بن مانس میرا خاندان
ہے۔ جب سے ملے کر آج تک میرے اندر جوانی کی نئی طاقت پیدا ہوئی ہے۔ میری عمر

زبان سے میری بات کر رہا ہے۔^{۱۹}

یہ کہہ کر وہ تھل کھلا کر ہنس پڑی اور بن مانس کی طرف اشارہ کر کے بولی۔

”میرے بچے دیوا آجا آجا۔“

وہ انھی۔ اس کے ساتھ ہی بن مانس بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ اٹھل کر چوڑے پر آگیا۔

جو گن نے بن مانس کی انگلی پکڑی اور میری طرف دیکھ کر کہلا۔

تاریخ: ۱۳۰۲/۱۲/۱۵ - محل: کابل - موضوع: تعلیم و تربیت

تھرا اچھا نہیں کروں گی لیکن مہر تم اپنی بیوی کا منہ کبھی نہ دیکھ سکو گے۔“

وہ بین ماس کو لے کر کنیا کے اندر چلی گئی۔

یہ کہیں سے ملتا ہے۔ یہ کچھ بڑا سیال ہے۔ خوف زدہ ہو گیا تھا۔ خدا جانے

یہ دُنیا جیسے ہے۔ اِس کلام کا وہ ایک مولا ہے جس کی ہر بات قابل

(۱) - در صورتی که ...

بھی یہ سب کچھ سر آگے رکھ کر دیکھنا چاہیے۔

اپنی یادوں کو فراموش نہ کرنا۔ یاد رکھنا کہ ہم نے کیا کیا ہے۔

کے ساتھ، ان میں سے بہت سے بھڑکے ہوئے اور بے رحم

()

[illegible]

آدم سے جو آدمی سے محبت کران کا خون کی جگہ نہ والی بیٹی ہے - آدمی کا

گوشت کھانا، خدائے برحق سے نفرت ہے۔ - زمر سے نفرت ہے۔ - اگرچہ میرے جسم کی رو مجھے

ان ٹرکھوں، آدم خوروں، خنوروں اور زمیے سانپوں سے بھاگ سکتی تھی مگر بندروں اور

اڑاہوں کا میں مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ اور پھر مجھے کچھ معلوم نہیں تھا کہ خونی جنگل میں

گمشدہ شہر کسی طرف کو ہے اور وہاں کو سارا راستہ جاتا ہے۔ دہلائی آدمی نے مجھے یہ بھی بتایا

تھا کہ خونی جنگل میں ایسے خونخوار بن مانس رہتے ہیں جو آدمی کو دیکھ کر اس پر ٹوٹ پڑتے

خواہ ستر سال کی بھی ہو جائے مگر میرا جسم اسی طرح جوان رہے گا یہ ایک راز ہے جو

دیوتا جی نے صرف مجھ پر ظاہر کیا تھا۔ کام دیوتا ہمارے دھرم میں جیسی محبت اور دو جسموں

کے ملاپ کا دیوتا ہے۔ ہمارے ہندو دھرم کی کتاب کام سوتر میں دو جسموں کے ملاپ ہے۔

ایک ہزار طریقے بیان کیے گئے ہیں۔ یہ سارے طریقے ایسا کام دیو نے خود لکھا۔

تھے۔ جب وہ آدمی کا روپ دھار کر دنیا میں آئے تھے۔“

جو کہیں سے کہیں ہو گئے، اسی طرح وہ بھی ہو گئے۔

ارے کی دکان سے لے کر پانچ سو روپے تک

ہمیں ربحان کی مالک ہے ورنہ ایک عام عورت کی طرح ہوتی۔

نظر میں رہے۔ دیکھ کر کہ طرفین نے ہتھیار ڈال دیے۔ دیکھ کر کہ

سکڑاؤں کے جوتوں کی سڑک
قلم جو گیت کہتا ہے، تمہارے

”وہاں سے تھوڑے عرصے کے بعد ایک اور گاڑی آئی۔ اس میں ایک شخص بیٹھا تھا۔ اس نے گاڑی سے اتر کر میری طرف آ کر کھڑا ہوا۔ اس نے میری طرف دیکھ کر ہنس کر کہا: ”اچھا، تم بھی یہاں آ گئے۔“

میں نے اسے دیکھا ہے۔

عورت سے عکاسیت کے انجی Lilac null Free null

”تم نے یہ نہیں پوچھا کہ بین ماہس میری ماہس کیسے کرتا ہے؟“

میں پپ رہا اس نے سخت لہجے میں کہا۔

”پوچھو کہ بن مانس میری مالش کیسے کرنا ہے؟ یہ میرا حکم ہے۔“

میں نے بادل نواسہ پوچھا۔

”دیوی جی! میں تمہاری بات کیسے کرتا ہے؟“

وہ اب جھومنے لگی۔ یہ چرس کے نشے کا اثر تھا۔ کہنے لگی۔

”میں ماس کی زبان بڑی لمبی ہوتی ہے۔ جب وہ کسی عورت کے بدن کو دھجکے

اس کی زبان سے ایک خاص قسم کا میل پھٹنے لگا ہے۔ اس میل میں بڑی کھلی ہوئی ہے۔

یہ عورت کے حکم کو پھر سے جوان کر دیتا ہے۔ بن ماس جو میرا حوالہ دے گا۔

ہیں اور اس کی نکال پائی کر دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ دھاتی آدمی نے دلی دابہ کو بھی
اس بات کی بھی تصدیق کی تھی کہ آپ نگر کے محل کے کھنڈ پر ایف ایف اپنے راس
سے آدمی کو کھینچ کر گلیت نکل لیتا ہے۔

یہ سب کچھ سوچ کر میں وہیں ادا کے پاس بیٹھ رہا۔ سچ پوچھیں تو کوئی ہنگامہ میں
جانے، میرا حوصلہ نہیں پڑ رہا تھا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہے اور یہ
کروں۔ آٹھ بجے وہاں ایک دھن دھن کا آواز آ رہا تھا۔ وہاں سے ایک آدمی نکلا اور اسی
ساتھ آپ کو لے کر وہاں سے نکلا۔

چارہ دار مجھے لے کر
میں نے گلیا کی طرف دیکھا۔ اس کا ہنسنا اور وہاں سے
لانٹین اپنے ساتھ اندر گھسے۔ اس نے کہا کہ یہاں
کسی کسی وقت بن جائے۔ اس نے کہا کہ یہاں سے
خاموشی پیدا ہو جائے۔ اس نے کہا کہ یہاں سے

دونوں میں نامانی سمجھوتہ ہو جائے۔ اس نے کہا کہ یہاں سے
نجات دلا سکتا ہے۔ کافی دیر کے بعد
پر زور دیا۔ اس نے کہا کہ یہاں سے
چوتھ پر۔ اس نے کہا کہ یہاں سے

کے بعد جو گن لیا دوی اپنے ہاتھوں کا جوڑا ہائی لکھا سے باہر آئی۔ اس کے من کا
نکاح تھا وہ اس طرح چمک رہا تھا جیسے اس پر تیل کی مائلش کی گئی ہو۔ وہ

پاس آ کر بیٹھ گئی۔ اس نے ادا میں خشک ہمازیاں ڈال کر آپ کو دہرہ روشن دیا۔
رات ہو چکی تھی۔ میں نے ادا کے پاس بیٹھے بیٹھے تھک گیا تھا۔ چاہتا تھا۔
کسی حدیث حاض۔ مگر میں لکھا۔ اندر جاتا ہوں۔ تھرا رہا تھا۔ مجھے محسوس تھا کہ آگ
میں لکھا۔ اندر یہ تو وحشی عورت میرے ساتھ وہی سونا کرے گی جو میں مانس۔ اس
کے ساتھ کیا تھا۔

وہ کہنے لگی۔ "میرا کچھ خیر تو نہیں آ رہا؟"
میں نے کہا۔ "نہیں دوی جی!"
وہ میں بڑی۔

"ابھی تو ساری رات پڑی ہے۔ ابھی مجھے تھکنا ہے ساتھ مل کر کام دیو تاکہ پوچھا کچھ
میں نے۔"

میرا نام کر دیا۔ اس نے کہا کہ یہاں سے
دلی تھی۔ وہ بولی۔

"میں تھک رہے ہوں کچھ کھانے پینے کو لاتی ہوں۔"

وہ واپس لیا۔ اس نے کہا کہ یہاں سے
میں کیے شریفانہ اور اس نے کہا کہ یہاں سے

"ابھی تو ساری رات پڑی ہے۔ ابھی مجھے تھکنا ہے ساتھ مل کر کام دیو تاکہ پوچھا کچھ
سوم رس کا میں نے ساخوردی قلعہ بھی پیا تھا۔ ایک ہندو بھاری

ہوا تھا۔ اس نے کہا کہ یہاں سے
پانچویں مشرب۔ اس نے کہا کہ یہاں سے
بار پھر مجھے رضامند۔ اس نے کہا کہ یہاں سے

"تم نے بھی سوم رس پیا ہے؟"
میں نے کہا۔

"نہیں دوی جی کیا ممکن ہے اس کی طرح کسی دوا کا پانی ہوتا ہے؟"
وہ بولی۔

"میں نے سوچا۔ وہ تو سوچتے ہیں۔ میں چاند کام دیو تاکہ کھینچتی ہوں۔ اس سے کام
دیو تاکہ آ کر مجھے سوم رس دے جاتے ہیں۔ تم بیچو گے تو تمہارا دماغ روشن ہو جائے

گا۔"
میں نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

رہا ہے۔ دل میں صرف ایک ہی خیال تھا کہ اس عورت کی مدد کے بغیر میں اپنا دل حاصل نہیں کر سکتا۔ ساری رات کام دیتا کی پوجا جاری رہی۔ نہ جانے کس وقت میں بد جان سا ہو کر ہرن کی چھال پر سو گیا۔
آنکھ کھلی تو کیا کے اندر دھوپ آ رہی تھی۔

میں جلدی سے اٹھ بیٹھا۔ میرا سر بو بھل ہو رہا تھا۔ جو کچھ لیا کتیا میں نہیں تھا۔
آنکھ کھلی تو کیا کے اندر دھوپ آ رہی تھی۔
تک کہ اس اور بھانویوں کا میدان تھا۔ جس کے...
کلی...
کام...
ساتھ...

خزکہ...
بال...
نے...

"جیل جیس پل اور چاول وغیرہ کن لا کر دیتا ہے؟"

وہ بولی۔

"پگل فروت میرا بن مانس خوند میرے لیے آتا ہے۔ چوس اور چاہ میں جو گاؤں میں جا کر لاتی ہوں۔"

نم نے وہیں چولے سے پس بیٹھ کر چاول کھائے چائے پی۔ میں نے اس سے پوچھا کہ ہم آکھپ نگر کی جانب کس وقت روانہ ہوں گے۔ وہ بولی۔

"دن کے تیسرے پہر میں سے نکلیں گے۔ لیکن تم اس جگہ میں میرے ساتھ نہیں

جاؤ گے۔ تمہیں جوگی سادھوؤں والا طیلہ پٹانا پڑے گا۔"

میں نے کہا۔

"میرے پاس تو سادھوؤں کا لباس نہیں ہے۔"

وہ بولی۔

"سادھوؤں کو لباس کی ضرورت نہیں ہو آ۔ میرے پاس آف سہوی دھاتی سے تھ دی اپنے جسم پر لپیٹ لیتا۔ پاؤں میں جوتی بے فلک بھی پہن لیتا۔"

جو کچھ نے تیسرے پہر میرے کپڑے اتار کر میرے سارے بدن پر چھ لے کی دانک مل

دی۔ سر میں بھی...
زغفرانی رنگ کی...

"اب تم میرے ساتھ آکھپ نگر میں راہ ڈال سکو گے۔"

میں نے پوچھا۔

"یہ نام آکھپ نگر میں راہ ڈال سکو گے۔"

وہ بولی۔

"تمہاری جگہ میں...
نرویا ہے۔ میری...

میں داخل ہوں...
سے بات کرے...

باقی میں سنبھال لوں گی۔"

میں نے خوشی کی نغریں چھپا رکھ کر چاقو اپنی دھاتی میں چھپا کر رکھ لیا۔ کچھ پتہ

نہیں تھا کہ آج چل کر حالات یا شکل اختیار کریں۔ جو کچھ نے بھی جو کچھ والا طیلہ بنا

یا۔ تھے۔ تک کی تیں سرخ لیکریں ڈالیں۔ بالوں کو شانوں پر کھل چھوڑ دیا۔ ہاتھ میں

ترشول پکڑ لیا۔ ہم تیسرے پہر نکلیے نکل کر اپنی گھر پر روانہ ہو گئے۔

تھانویوں اور خوشوں کے جھنڈوں دن میدان عبور کرتے ہمیں آدھا گھنٹہ لگ گیا۔

خونی جنگل کی سرحد پر پہنچ کر جو گمن نے رک کر اونچے سیاہ غٹوں والے درختوں کے درمیان اور دھیمی آوازیں کوئی اشلوک پڑھا اور کہنے لگی۔

”ڈرنا بالکل نہیں۔ کوئی کمرچھ، کوئی ساپ، کوئی آدم خور درخت اور نہ زہریاں اور
کچھ بگاڑ نہیں سکیں گی۔“

ہم خونِ جنگل میں داخل ہو گئے۔

یہاں ایشیا میں تھا۔ اور ہمارے پتے کی من مانی خبر
میں سے مل رہی تھی۔ اس لیے کہ یہاں کے لوگ بھی
جنگل میں رہتے تھے۔ اور ان کے پاس بھی ایک
دو سائے والی جالی تھی۔ جس کو بڑا بڑا
بھینس کا کھنڈا لٹکا کر رکھا کرتے تھے۔
اور وہ اس جالی میں بیٹھ کر اپنے
قدیم اور نئے کپڑوں کے ڈھیروں پر
ڈرائی گوازیں نکالتے۔ میں ڈر کر دیکھ گیا۔

جو کئی نے کہا : //

— ۱۰۰ —

یہی مگر مجھوں نے ہمارے جسموں سے خارج ہونے والی جڑی بوٹیوں کی بو سونگ لی
دو دن تک کتاب کی طرف دوڑے اور پانی میں اتر کر قلاب ہو گئے۔ اس کے بعد ایک کھانا
سیاہ ستہ دھواں پس پر دو حقوں کے پتے کرے ہوئے تھے۔ جو سن نے مجھے بازو سے پکڑا
اور دوسری طرف لے گئی۔ کہنے لگی۔

”یہ دلسر ہے۔ یہ اتنی کمزری ہے کہ اس میں اگر ہاتھی گر پڑے تو یہ اسے ایک سینکڑے میں نکل لے گی۔“

میں نے غور سے دیکھا۔ سیاہ دہل میں سے بخارات اٹھ رہے تھے جیسے دہل سانس لے رہی ہو۔ اس خوفناک جنگل میں گھنے درختوں کی وجہ سے دھوپ بالکل مائب تھی۔ ان

کی روشنی بھی پھیلی اور وحندل تھی۔ ایک جگہ جھاڑوں میں سے سانپ کی پھنکائیں بلند ہوئیں۔ میں ڈر کر جو گھن کے ساتھ مگ گیا۔ اسے میں تین سبز اور سرخ رنگ کے سانپ جھاڑوں میں سے نکل کر ہم سے دور بھاگ گئے۔ جو گھن نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں کیوں تھراتے ہو؟ میرے گوردیو نے تمہیں لگا کر بل میں جو پونی کھول کر پلا دی ہے اس کی خوشبو تمہارے جسم سے برابر نکل رہی ہے۔ یہ خوشبو کسی سانپ، بچھو، مگر سچھے شیر چیتے کو سمجھ نہ آئے گی۔"

اقربا! سانپ بلا اس رو کا اثر نہیں ہو گا۔ اچھا۔"

اسم پھر چل پڑے۔

اسم پھر چل پڑے۔



سرخ آنکھوں سے اسے نکلنے لگا۔ جو گن بائبل پتھر کی مورق بن کر سناٹا بن چکی تھی۔ یہ
بن مانس پتھر دیر بیٹھا جو گن کو گھور کر اب پھر دو چند قدم چل کر جو گن سے بائبل میں
گیبا۔ اتنا بڑا اور ہیملنگ بن مانس اپنے اتنا قریب دیکھ کر میں سم سم گیا۔ سیاہ بن مانس
اپنے بد و فحش پوز تنہے پھر پھلا کر جو گن کے جسم کو سو گھٹنا شروع کر دیا۔ شاید
جو گن نے بدن سے اس کے خاوند بن مانس کی بو آنے لگی تھی۔ سیاہ بن مانس ایسا
ہنستے۔ اس نے حق سے خاص قسم کی آواز نکالی۔ اس آواز کو سن کر
رستے ہلک گئے۔ ان کے بعد سیاہ بن مانس بھی اچھل اچھل کر چلا ہوا۔

۱۔ اگر کسی شخص کو کچھ دینا ہو تو اسے دینا چاہیے۔
 ۲۔ اگر کسی شخص کو کچھ لینا ہو تو اسے لینا چاہیے۔
 ۳۔ اگر کسی شخص کو کچھ دینا ہو تو اسے دینا چاہیے۔
 ۴۔ اگر کسی شخص کو کچھ لینا ہو تو اسے لینا چاہیے۔
 ۵۔ اگر کسی شخص کو کچھ دینا ہو تو اسے دینا چاہیے۔
 ۶۔ اگر کسی شخص کو کچھ لینا ہو تو اسے لینا چاہیے۔
 ۷۔ اگر کسی شخص کو کچھ دینا ہو تو اسے دینا چاہیے۔
 ۸۔ اگر کسی شخص کو کچھ لینا ہو تو اسے لینا چاہیے۔
 ۹۔ اگر کسی شخص کو کچھ دینا ہو تو اسے دینا چاہیے۔
 ۱۰۔ اگر کسی شخص کو کچھ لینا ہو تو اسے لینا چاہیے۔

ان میں سے کسی شخص اور بیوی تک لے میں کاغذ جو میں بڑی احتیاط سے قدم نہ
رہی تھی۔ اس نے مجھے اپنے پیچھے کر یا تھا۔ درختوں کا کھوپڑیاں حتم ہو گیا۔ آگے چل کر
سے ہانسی میز میں آگئیں جو نیچے آگے بڑھے کے کشادہ مچھ میں اترتی تھیں۔ میز پر
دائیں میں کافی دور دور تک پھیل گئی تھیں۔ پھر نوٹے پھونٹے تھے اور ان کے درمیان
گھاس اگ آئی تھی۔

”جو مکن نے آہستہ سے کہا۔

”م آلوپ نگر میں داخل ہو رہے ہیں۔ اب تم میرے اشارے کے بغیر منہ سے کچھ نہ بولو گے۔“

دس بارہ بیڑیاں تھیں۔ ہم اتر کر کشادہ سخن میں آ گئے۔ یہ ویران اور اجڑی ہوئی
جگہ تھی۔ ہر طرف گھس پر خشک پتے کھڑے ہوئے تھے۔ خاموشی ایسی تھی جیسے ساری
لکھاؤ سناپ سا گتہ بند ہو گیا۔ سامنے واہ میں پائیس آؤپ گھر کی ہندووان جٹاروں اور ترنگھے
مسلواں گنبدوں والے گھر کھڑے تھے۔ یہ ان کے گھر تھے۔
تھیں۔ ال پر جیسے آئے۔ یہ وہ گھر تھے جہاں ہم نے پہلے سے آگے
تھیں جن میں سے بی بی گھاس کی شائیں باہر نکل ہوئی تھیں۔ کوئی انسان
دیکھ بھی نہ سکتے تھے۔ یہ وہ گھر تھے جہاں ہم نے پہلے سے آگے
رہے تھے اس پر خشک بجادوں اور پتوں کا فرش لٹایا ہوا تھا جو کن پتوں پر
ہوئی آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی چلی رہی تھی۔ ایک لوت کے پروردہ
مردوں کے بڑے بڑے بت بنے ہوئے تھے۔ جو کن کے گھر پر

”یہ حنظل کی جڑ ہے۔ اس کی جڑ کو کھانے سے بچنا چاہیے۔“

[illegible]

”یہاں جتنی ایڑیاں سرکیاں اور مہا دیہی کی ایڑیاں رہتی ہیں۔ ان کے جسموں سے ہمارے جسموں وان وان ہر وقت خار بن رہتی ہیں۔ یہ درخت انہیں کچھ نہیں دیتے۔ اگر باہر کوئی آدمی راستہ بھول کر اہراہر آکھلے تو یہ درخت اسے چٹ کر جاتے ہیں۔“

یہ ایسے خونی درخت ہیں کہ ہر نصیب آدمی کی ڈیراں تک کھا جاتے ہیں۔"

سامنے سیاہ کالے درختوں کے درمیان کچھ اور چٹانوں والی عمارتیں تھیں۔ وہ کھائی دیے۔ جو گن نے مجھے بازو سے پکڑ کر دیں زمین پر بٹھالیا۔ وہ گھوڑوں کی لڑائی کو دیکھ رہی تھی۔ کہنے لگی۔

"یہ بھائیوں کا آشرم ہے۔ تھماری بیوی مجھے بتا رہی ہے اسی آشرم میں ہوگی۔"

میں نے اسے دھڑکنے لگا اپنی بیوی جیل کو لے جائی۔

میں نے اسے دھڑکنے لگا اپنی بیوی جیل کو لے جائی۔

میں نے اسے دھڑکنے لگا اپنی بیوی جیل کو لے جائی۔

میں نے اسے دھڑکنے لگا اپنی بیوی جیل کو لے جائی۔

میں نے اسے دھڑکنے لگا اپنی بیوی جیل کو لے جائی۔

میں نے اسے دھڑکنے لگا اپنی بیوی جیل کو لے جائی۔

میں نے اسے دھڑکنے لگا اپنی بیوی جیل کو لے جائی۔

میں نے اسے دھڑکنے لگا اپنی بیوی جیل کو لے جائی۔

میں نے اسے دھڑکنے لگا اپنی بیوی جیل کو لے جائی۔

میں نے اسے دھڑکنے لگا اپنی بیوی جیل کو لے جائی۔

میں نے اسے دھڑکنے لگا اپنی بیوی جیل کو لے جائی۔

میں نے اسے دھڑکنے لگا اپنی بیوی جیل کو لے جائی۔

میں نے اسے دھڑکنے لگا اپنی بیوی جیل کو لے جائی۔

میں نے اسے دھڑکنے لگا اپنی بیوی جیل کو لے جائی۔

میں نے اسے دھڑکنے لگا اپنی بیوی جیل کو لے جائی۔

میں نے اسے دھڑکنے لگا اپنی بیوی جیل کو لے جائی۔

میں نے اسے دھڑکنے لگا اپنی بیوی جیل کو لے جائی۔

میں نے اسے دھڑکنے لگا اپنی بیوی جیل کو لے جائی۔

زمین پر بیٹھ کر سناٹ ہو گیا ہو۔ جو گن جیسے اپنے آپ سے کہنے لگی۔

"سینہ صبا میں ہی ہوگی۔ کہیں صبا کے آشرم میں نہ چلی گئی ہو۔ تب وہ صبح سے پہلے نہیں آئے گی۔ چل کر دیکھتے ہیں۔"

میں نے اسے دھڑکنے لگا اپنی بیوی جیل کو لے جائی۔

میں نے اسے دھڑکنے لگا اپنی بیوی جیل کو لے جائی۔

میں نے اسے دھڑکنے لگا اپنی بیوی جیل کو لے جائی۔

میں نے اسے دھڑکنے لگا اپنی بیوی جیل کو لے جائی۔

میں نے اسے دھڑکنے لگا اپنی بیوی جیل کو لے جائی۔

میں نے اسے دھڑکنے لگا اپنی بیوی جیل کو لے جائی۔

میں نے اسے دھڑکنے لگا اپنی بیوی جیل کو لے جائی۔

میں نے اسے دھڑکنے لگا اپنی بیوی جیل کو لے جائی۔

میں نے اسے دھڑکنے لگا اپنی بیوی جیل کو لے جائی۔

میں نے اسے دھڑکنے لگا اپنی بیوی جیل کو لے جائی۔

میں نے اسے دھڑکنے لگا اپنی بیوی جیل کو لے جائی۔

میں نے اسے دھڑکنے لگا اپنی بیوی جیل کو لے جائی۔

میں نے اسے دھڑکنے لگا اپنی بیوی جیل کو لے جائی۔

میں نے اسے دھڑکنے لگا اپنی بیوی جیل کو لے جائی۔

میں نے اسے دھڑکنے لگا اپنی بیوی جیل کو لے جائی۔

میں نے اسے دھڑکنے لگا اپنی بیوی جیل کو لے جائی۔

میں نے اسے دھڑکنے لگا اپنی بیوی جیل کو لے جائی۔

میں نے اسے دھڑکنے لگا اپنی بیوی جیل کو لے جائی۔

میں نے اسے دھڑکنے لگا اپنی بیوی جیل کو لے جائی۔

میں نے اسے دھڑکنے لگا اپنی بیوی جیل کو لے جائی۔

ضرورت نہیں ہے۔ وہ میری ہم راز ہے۔ مجھے اس کو تھوڑی سیڑی کے بارے میں سب کچھ بتانا پڑے گا۔ وہی ہماری مدد کر سکتی ہے۔"

میں خاموش ہو کر بیٹھ رہا۔ جو کچن ساڑھی جسم سے الگ کر کے بھاڑنے لگی۔ وہ بالکل عریض تھی۔ مجھ سے رہات گیا۔ میں نے کہہ دی کہ وہ مرد کے سامنے ذرا بھی شرم نہیں کرتی۔ وہ کہنے لگی۔

"پہلی بات تو یہ ہے کہ قرآن مجید میں جو کچھ ہے۔"

"میں نے اس سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ قرآن مجید میں جو کچھ ہے۔"

"میں نے اس سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ قرآن مجید میں جو کچھ ہے۔"

"میں نے اس سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ قرآن مجید میں جو کچھ ہے۔"

"میں نے اس سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ قرآن مجید میں جو کچھ ہے۔"

"میں نے اس سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ قرآن مجید میں جو کچھ ہے۔"

"میں نے اس سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ قرآن مجید میں جو کچھ ہے۔"

"میں نے اس سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ قرآن مجید میں جو کچھ ہے۔"

"میں نے اس سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ قرآن مجید میں جو کچھ ہے۔"

"کیا یہاں صرف یہی دو چال ہوتے ہیں؟"

"یہ وہاں چل رہا ہے۔ میں نے اس سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ قرآن مجید میں جو کچھ ہے۔"

"میں نے اس سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ قرآن مجید میں جو کچھ ہے۔"

"میں نے اس سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ قرآن مجید میں جو کچھ ہے۔"

"میں نے اس سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ قرآن مجید میں جو کچھ ہے۔"

"میں نے اس سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ قرآن مجید میں جو کچھ ہے۔"

"میں نے اس سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ قرآن مجید میں جو کچھ ہے۔"

"میں نے اس سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ قرآن مجید میں جو کچھ ہے۔"

"میں نے اس سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ قرآن مجید میں جو کچھ ہے۔"

"میں نے اس سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ قرآن مجید میں جو کچھ ہے۔"

"میں نے اس سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ قرآن مجید میں جو کچھ ہے۔"

"میں نے اس سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ قرآن مجید میں جو کچھ ہے۔"

کر یہاں آئی ہوں۔"

میں نے محسوس کیا کہ سینہ صبا میری طرف بڑی محبت بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اس کی نظروں میں بڑے خوفناک خلیہ اشارے تھے اور میں اپنی جگہ پر بیٹھا سوچ رہا تھا کہ کیا میں اس عورت کے ساتھ بھی مجھے کام دلوانا کی بوجھائی پڑے گی؟

میں نے اس کا جواب دیا۔

"نہیں، میں اس کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔"

"کیونکہ میں اس کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔"

"میں اس کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔"

"میں اس کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔"

میں نے اس کا جواب دیا۔

"نہیں، میں اس کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔"

"میں اس کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔"

"میں اس کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔"

"میں اس کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔"

"میں اس کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔"

"میں اس کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔"

"میں اس کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔"

"میں اس کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔"

"میں اس کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔"

"میں اس کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔"

"میں اس کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔"

"میرے دادا میرے کام کو تم نہیں جانتے یہاں کس قدر سخت پہرے لگے ہوئے ہیں۔ دن کو سناپ، مگر کچھ اور رات کو بن مانس اور اڑوا سا دیو کے آشرم کی حفاظت کرتے ہیں۔ تم سناپوں مگر کچھوں سے تو بچ کر نکل جاؤ گے مگر اڑواہوں اور خوشنار بن مانسوں کا مقابلہ نہیں کر سکو گے۔"

میں نے اس کا جواب دیا۔

"نہیں، میں اس کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔"

"میں اس کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔"

"میں اس کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔"

"میں اس کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔"

"میں اس کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔"

"میں اس کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔"

"میں اس کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔"

"میں اس کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔"

"میں اس کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔"

"میں اس کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔"

"میں اس کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔"

"میں اس کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔"

"میں اس کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔"

"میں اس کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔"

"میں اس کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔"

"میں اس کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔"

"میں اس کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔"

جو گمن نے کہا۔

”سیندھیا میں یہ ساری باتیں جانتی ہوں۔ تم مجھے صرف یہ بتا دو کہ میں اس مرد کی بیوی کو یہاں سے کیسے نکال سکتی ہوں۔ باقی میں سب سنبھال لوں گی۔“

سیندھیا اس دوران گہری سوچ میں تھی۔ جو گمن نے اپنی بات ختم کی تو وہ بولی۔

”کرم داد کی بیوی ساری رات مہادیوی کے آشرم میں ان کے خاص کمرے میں رہتی ہے۔

وہ کے وقت بہت سی باتیں کہیں ہے۔ وہ ان کے پاس ہے۔

کے بعد ہے۔ یہ کہیں کہیں ہے۔ وہ آرام میں ہے۔

دن وہیں ہے۔ ان کے پاس ہے۔ وہ کہیں کہیں ہے۔

جہاں تک میں سے کہیں کہیں ہے۔ وہ کہیں کہیں ہے۔

جو گمن نے کہا۔ وہ کہیں کہیں ہے۔ وہ کہیں کہیں ہے۔

”اس وقت میں یہ کہیں کہیں ہے۔ وہ کہیں کہیں ہے۔

بن مانس۔ یہ کہیں کہیں ہے۔ وہ کہیں کہیں ہے۔

سیندھیا۔

”مندر سے یہ کہیں کہیں ہے۔ وہ کہیں کہیں ہے۔

مندر کے یہ کہیں کہیں ہے۔ وہ کہیں کہیں ہے۔

شیں کہیں کہیں ہے۔ وہ کہیں کہیں ہے۔

شر سے کہیں کہیں ہے۔ وہ کہیں کہیں ہے۔

نے تربیت یہ کہیں کہیں ہے۔ وہ کہیں کہیں ہے۔

فنی در دیوں میں ہوتے ہیں اور انہیں حکم دیا گیا ہے کہ اگر کوئی شر کا مرد مندر میں داخل

ہونے یا کوئی ننگی مندر سے فرار ہونے کی کوشش کرے تو اسے دیکھتے ہی گولی مار دیں۔“

مجھے یہ سن کر ایک اطمینان ضرور ہو گیا کہ جہاں میری بیوی دن کے وقت ہوتی ہے

اس کے گرد جادو گروں یا پیروں کا پہرہ نہیں ہوتا بلکہ نیم فوجی سپر سے تحیات ہوتے ہیں

جن کا مقابلہ میں کر سکتا تھا۔ میں پاک آدمی کا تربیت یافتہ سابق کمانڈر تھا۔ یہ رات نکل برادر

پیرے میرا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ مجھے خیال آ گیا کہ اس ننگی سیندھیا نے بتایا تھا کہ

میری بیوی صبح صبح شیطان صفت مہادیو کے آشرم سے نکل کر کتاب پر اشکان کرنے جاتی

ہے۔ اس وقت بھی بیلہ کو وہاں سے نکالا جا سکتا تھا۔ میں نے سیندھیا سے پوچھا۔

”صبح صبح جب میری بیوی کتاب پر نکلنے جاتی ہے تو اس کے ساتھ صرف عورتیں ہی

ہوتی ہیں؟“

اس نے کہا۔

”آشرم کی چھ مہادیو کے ساتھ جاتی ہیں۔ ان میں سے ایک

لے کچھ فاسٹ پر جہاں میں وہ ہوتے ہیں۔ وہ کہیں کہیں ہے۔

کا اثر کم پڑ گیا اور اب یہاں سے وہ کہیں کہیں ہے۔

میں نے اس میں مہادیو کو لے کر آ کر کہا کہ میں اس شخص کو

چھوڑوں گا۔ جو وہ کہیں کہیں ہے۔ وہ کہیں کہیں ہے۔

دوسرے مذہب ہی کی بات ہے۔ وہ کہیں کہیں ہے۔ وہ کہیں کہیں ہے۔

دار کا نکلا چاہتا تھا۔ میں نے کہہ دیا۔

”میرا خیال ہے کہ وہ کہیں کہیں ہے۔ وہ کہیں کہیں ہے۔

جب وہ کتاب پر اشکان کرنے جاتی ہے تو اس کے ساتھ

ہو گا۔“

جو گمن نے کہا۔ وہ کہیں کہیں ہے۔ وہ کہیں کہیں ہے۔

”اگرچہ مہادیو کے پاس بہت سی باتیں ہیں۔ وہ کہیں کہیں ہے۔

میرے ہی ہوتے ہیں لیکن ان کا کچھ پتہ نہیں ہوتا کہ وہ کوئی جھادی میں چھپے ہوئے

ہیں۔ رات کے پچھلے پہر کے اندر سے میں تم انہیں تلاش نہیں کر سکو گے۔ اگر انہوں

نے تمہیں کتاب کی طرف بڑھتے دیکھ لیا تو وہ تم پر گولیاں چلائی شروع کر دیں گے اور

تمہارا رندہ بچتا مشکل ہو جائے گا۔“

سیندھیا اور جو گمن ان دونوں میں سے کسی کو معلوم نہیں تھا کہ میں پاک آدمی کا تربیت

سینڈھیا نے میری طرف مسکرا کر دیکھا اور پھر میرا پیار اٹھا کر ایک طرف رکھ دیا۔
میں نے دل میں خود انا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا کہ اس مشربوبہ سے میری جان بچ گئی تھی۔ کھانا
میں پینکل کا دواجل رہا تھا۔ اس کی دھم روشنی میں ہمارے چہرے اور کینے کے درود دیوار
ہندے ہندے لگ رہے تھے۔ ہم ہزن کی چھال پر بیٹھے تھے۔ کونے میں سینڈھیا کا بستر
بٹھا ہوا تھا۔ سبز کتھا ایک درزی چھچی تھی۔ ایک میلا سرہانہ پڑا تھا۔ میں ذرا پیچھے ہو کر بیٹھ
گئی۔ دو دونوں سووم رس پئے گئیں۔ سینڈھیا جو گمن سے کہنے لگی۔

سینہ حیا مسکراتی ہوئی اُٹھی اور یہ کہہ کر کنیا سے باہر نکل گئی کہ ابھی رتی ہوں۔ سوہ
کے نام سے میں کلب میا تھا۔ میں نے جو گن سے کلب۔

کھانے میں کامیاب ہو گئے تو سیدھے کپڑوں میں آٹا میں اسی جگہ تھرا انتظار کر رہی تھی۔
"کی۔"

مجھے اندیشہ تھا کہ مسیح پیروں کو قابو کرتے وقت اگر ان میں سے کسی کی راعل چل
گئی تو رادھا کو ہوا کا پار کر میری بی بی یا اس کے ساتھ آتی ہوئی عورتوں سے مجھے، میر
کرستور پچھو یا تو وہاں ہنگامہ مچ جائے گا اور مندر کے ارد گرد چہرے پر مونہہ دو سر
مسیح پیروں سے بھی وہاں آجائیں گے۔ جب میں نے اس خدشے کا انکار کیا تو جو اس کا
دلیوی سچ میں پڑ گئی۔ سینہ صیاحی غور کرنے لگی۔ جو کچھ نے کہا
"اگر وہاں مارچ گیا تو پھر تھرا وہاں سے لکنا اور میرا اس کتاب میں ٹھہرا نام لکھیں۔"

سینہ صیاحی نے کہا۔

"یہ میں کر لوں گی۔"

جو کچھ بلیا دیوی نے میری طرف مشکوک نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"میرا نام لکھتے ہوئے تھرا سے پاس آتی بد وقت دینہ نہیں ہوگی۔ تم رات کو
وہاں دو آدمیوں کو کیسے پھونک کر رکھو گے؟"

میں نے کہا۔

"یہ تو میں نہیں جانتی۔"

پھر

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" جو کچھ نے کہا۔

پھر سینہ صیاحی سے مخاطب ہو کر بولی۔

"قررتی ہے کہ میں اس کے ساتھ جاؤں۔"

اس نے کہا۔

"جائے۔"

جو کچھ نے کہا۔

پھر

باتیں کرتے کرتے شام جب تھرا دھری ہوئی اور رات کی تاریکی چھیننے لگی تو سینہ صیاحی
اٹھ کھڑی ہوئی۔ کہنے لگی۔

"اب میں جاتی ہوں۔"

پھر اس نے جو کچھ بلیا دیوی سے کہا۔

"بلیا تم کرم داد کو کلاب کا خیرہ راستہ تھرا۔"

وہ بولی۔

"میں اسے کلاب تک چھوڑنے اس کے ساتھ جاؤں گی۔ میں اسے وہاں چھوڑنے

کے بعد وہاں آ جاؤں گی۔"

"ہاں۔" سینہ صیاحی نے کہا۔ "تھرا وہاں زیادہ دیر رہنا ٹھیک نہیں ہوگا۔ کسی نرنگی کی

274

میں بھی سات بھیکریوں کے ساتھ جاؤں گے۔ جب کہ
کچھ لوگ پاؤں میں لگا کر دوسری طرف لے جائیں
لیکن جماعتوں میں صورتہ لگا کر پیش
اگر اس کی بیوی نے اس کے بچے اور اس کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا تو وہ ضرور شور
مچا دے گی اور اس کے شور کی آواز سن کر پیروں کے ہوا میں فائرنگ شروع کر دیں گے اور
فائر کی آوازیں سن کر مندر کے پیروں سے بھی اس طرف دوڑ پڑیں گے
میں نے کہا۔

"میں انہیں متنبہ کر دوں گا۔ تم اس کی فکر نہ کرو۔ تم صرف اتنا کرو کہ میری بیوی کے
ساتھ نہ جوروں چاہیں گی کسی طرح انہیں کتاب سے کچھ قائلے پر لے جاؤ جن سے وہ
مجھے کلاب پر آتے نہ دیکھ سکیں۔"

تم پر نگاہ پڑ گئی تو مہادیوی جی تمہاری تلاش میں تمام آدمی دوڑا دیں گے۔ اچھا اب میں چلتی ہوں۔

وہ چلتی گئی تو جو کن میرے پاس ہی چکی پر بیٹھ گئی۔ کہنے لگی۔

”اگر بھگوان نہ کرے وہاں کتاب پر ہمارے کارخانے کی تو مجھے اس کی آوازیں آجائیں گی۔ پھر میں اس کی باتیں نہیں فہم سکوں گی۔“

میں نے پوچھا۔

”میں نے سوچا کہ میں اسے کچھ کہوں۔“

”میں نے سوچا کہ میں اسے کچھ کہوں۔“

”میں نے سوچا کہ میں اسے کچھ کہوں۔“

وہ بولی۔

”میں نے سوچا کہ میں اسے کچھ کہوں۔“

”میں نے سوچا کہ میں اسے کچھ کہوں۔“

کی خبر نہ ہو۔ مجھے اس کام کی تربیت ملی ہوئی تھی اور یہ کام مجھے کوئی مشکل نظر نہیں آ رہا تھا۔ مشکل مرحلہ صرف وہ تھا جب مجھے اپنی بیوی کی جیل کے سامنے جا کر اسے اپنے ساتھ چلنے کے لیے کہتا تھا۔ دل کہتا تھا کہ وہ مجھے دیکھتے ہی پہچان جائے گی اور فوراً میرے ساتھ ہمارے کڑی ہوگی۔

جب رات کمری ہونے لگی تو جو کن مایا دیوی اچھڑائی لیتی ہوئی انھی اور سیندھیا کے بستر کی طرف چلتے ہوئے بولی۔

”ابھی رات ہے۔ میں نے سوچا کہ میں اسے کچھ کہوں۔“

میں ڈو گیلہ میں نے جلدی سے کہا۔

”وہی مجھے بالکل نیند نہیں آ رہی۔“

اس نے ڈانٹ کر کہا۔ ”یہ میرا علم ہے۔“

میرا جی چلا کہ اس عورت کا سر پھوڑ دوں مگر میں نے سوچا کہ بیوی کی تلاش کی مم اپنے آخری مرتبہ میں ہے۔ میں نے سوچا کہ میں اسے کچھ کہوں۔“

”میرے پاس آؤ۔“

میں جیسے کسی جلاو کے اثر سے اٹھا اور اس بیباک عورت کے پاس چلا گیا۔



عرسے۔ بعد میں ایک بار پھر کمانڈو کمپ پر روانہ ہوئے والا تھا۔ میں ایک ایک کر کے
کمانڈو رشنگ نے سارے سبق یاد کر رہا تھا۔ فوج میں کمانڈو رشنگ ایسی ہوتی ہے کہ
اسے ایک کمانڈو سارن زندگی نہیں چھو سکتا وہ آدمی ہے جس کا حصہ بن جاتی ہے۔ میں
کمانڈو چاہتا ہوں کہ خیال کے نیچے چھپا رکھا ہوا تھا۔ میں نے چاقو نکال دیا۔ دیے کی
اجسی راشی میں اسے چھو کر اس کے چہرے کی دھار کو غور سے دیکھا۔ اس پر اچھی
پھینسی دیا۔ اس کے چہرے پر ایک عجیب سی حالت تھی۔

اب تک کی بات سن کر میں نے جیسا کہ چاہا تھا۔
تھوڑی تھوڑی دیر بعد میں اٹھ کر باہر نکلا۔
آگے یہ سات ستارے جنہیں ہم جیسا کہ چاہا تھا۔
موتی افق پر نظر آئے۔
پتلی نہیں۔
میں نے اس پر ہلکا سا ہاتھ مارا۔

اس نے ہلکا سا ہاتھ مارا۔

”میرا خیال ہے رات کا چھپ چکا ہے۔“

وہ جلدی سے اٹھ کر کتیا کے باہر نکل گئی۔ میں ٹاٹ کا پردہ ہٹا کر اسے دیکھنے لگا۔
جو کہ آسمان کی طرف منہ کرے ستاروں کو دیکھ رہی تھی۔ چہرہ جلدی سے وہاں آئی
اور بولی۔

”وقت ہو گیا ہے۔ جلدی سے نکل چلو۔“

تو میں نے اپنی سازش کو ابھی طے کر کے جسم کے گرد باندھی۔ اس کا پلو
اپنے جسم پر ابھی طے کر لیا۔ میں نے بھی دعوت کو ابھی طے کر کے
کس کو باندھا۔ اس نے ڈھب میں کمانڈو چاقو چھپا کر رکھ لیا۔ جو کہ نے چوکھار کر دیا



کے لئے اس کے لئے
لیجے اور اس کے لئے
یاد رکھیں کہ
یہ نکالا اور اس کے لئے
یہ نکالا اور اس کے لئے
یہ نکالا اور اس کے لئے
یہ نکالا اور اس کے لئے
یہ نکالا اور اس کے لئے
یہ نکالا اور اس کے لئے

وسط میں تھی۔ اتنا مجھے بچپن ہی سے معلوم تھا کہ جب رات کا چھپ چکا ہے تو یہ
سات ستاروں کی فوج آسمان پر مغرب افق کی طرف بھٹک جاتی ہے۔ اس کا مطلب تھا کہ
ابھی رات کے چھپنے پر میں دوڑ چلی گئی تھی۔ میں کتیا میں آکر بیٹھ گیا۔

طاق میں بیٹھ کر لایا ٹھہرا تھا۔ اس کی وہ دم ہونے لگی تھی۔ وہیں بیٹھ خیالات میں
الجھا رہا۔ مجھے یاد آئی سے ریٹیز ہونے پانچ ساڑھے پانچ سال گزر گئے تھے۔ اسے

میں ایک لمحہ ضائع کیے بغیر جھاڑیوں کے پیچھے جھک کر دیکھ پاؤں چلتا کلاب سے۔
 دوسرے کمرے پر آتے جہاں چٹری میز پر بیٹھ گئی تھیں۔ یہاں اندر آتے آتے
 پچھلی رات کا وہ چیلنے لگا تھا۔ میں تنہا کر چھپ چھپ کر چل کلاب سے کوئی پانی
 دور آتھان جھاڑیوں کی طرف بھاگا۔ مجھے نہیں تھا کہ سسٹ پیسے ان جھاڑیوں میں
 موجود رہے ہوں گے۔ میں بڑے تجربہ کار کلاب کی طرح چبے کی طرح آگے بڑھ رہا تھا۔
 کلاب نے اس وقت میں سے اس طرف اشارہ کیا۔
 کلاب نے اس وقت میں سے اس طرف اشارہ کیا۔
 کلاب نے اس وقت میں سے اس طرف اشارہ کیا۔
 کلاب نے اس وقت میں سے اس طرف اشارہ کیا۔
 کلاب نے اس وقت میں سے اس طرف اشارہ کیا۔
 کلاب نے اس وقت میں سے اس طرف اشارہ کیا۔
 کلاب نے اس وقت میں سے اس طرف اشارہ کیا۔
 کلاب نے اس وقت میں سے اس طرف اشارہ کیا۔
 کلاب نے اس وقت میں سے اس طرف اشارہ کیا۔

مجھے ان اوس پیسوں میں سے ایک کو اس جھاڑی کی طرف بلانا تھا۔ وقت تجزی سے
 گزر رہا تھا۔ اس وقت تیز ایشن کی ضرورت تھی۔ میں نے جھاڑی سے نیچے ہاتھ
 پھیرا۔ وہاں مجھے وہی تجربہ کار ڈانہ ملا تھا۔ میں نے جھاڑی کی ایک شاخ تیزی سے ہارے
 سلنے والی جھاڑیوں کے اوپر زور سے پھینک دیا۔ اس سے ہلکی سی آواز پیدا ہوئی۔ کوئی
 نتیجہ نہ نکلا۔ وہی پیسہ اس اوپر ہارے ہوئے مورچے سے باہر نہ آیا۔ میں دوسری
 سوئی کی شاخ ڈانہ کر چکی۔ اس کی آواز زیادہ تھی۔ مجھے جھاڑیوں میں دو آدمیوں نے

پاتیل کمرے کی آواز سائی دی۔ میں نے کلاب کو چاقو کے دستے پر اپنی گرفت مضبوط کر لی اور
 اس پینے کی طرح بیٹھ گیا جو اپنے شکار پر پھنسنے ہی والا ہو۔ ایک دو سیکنڈ کے بعد ایک انسانی
 سانس جھاڑیوں میں سے باہر نکلا۔ میں پچھلے پھر کے ہند کے میں اس کو غور سے دیکھ رہا
 تھا۔ عجیب۔ قی اور یہ میری خوش قسمتی تھی کہ یہ آدمی میرا سسٹ تھا۔ اس کے ہاتھ
 میں دو دھمچے پر کوئی راجہ دیکھ سکتا تھا۔ یہ بے احتیاطی صرف جس کے نشے کی وجہ
 سے ہو سکتی تھی۔

میں نے اس کو دیکھا۔ اس نے اس کو دیکھا۔
 میں نے اس کو دیکھا۔ اس نے اس کو دیکھا۔
 میں نے اس کو دیکھا۔ اس نے اس کو دیکھا۔
 میں نے اس کو دیکھا۔ اس نے اس کو دیکھا۔
 میں نے اس کو دیکھا۔ اس نے اس کو دیکھا۔
 میں نے اس کو دیکھا۔ اس نے اس کو دیکھا۔
 میں نے اس کو دیکھا۔ اس نے اس کو دیکھا۔
 میں نے اس کو دیکھا۔ اس نے اس کو دیکھا۔
 میں نے اس کو دیکھا۔ اس نے اس کو دیکھا۔
 میں نے اس کو دیکھا۔ اس نے اس کو دیکھا۔

خڑکی کی آواز آئی۔ میں نے اس کی ہولی ہولی پر پوٹا رکھ دیا۔ اسے میں
 جھاڑیوں کے اندر سے دوسرے سسٹ پیسے لے اپنے ساتھی کو آواز دے کر بلایا۔ جب
 اسے وہی جواب نہ ملا تو وہ خود جھاڑیوں سے باہر نکل آیا۔ اس دوران میں جھاڑیوں کی
 لوٹ میں پوزیشن بنا کر کھڑا ہو گیا تھا۔

میں نے غور سے دیکھا۔ دوسرے پیسے کے کمرے سے راکٹ نہیں بلکہ شین گن
 سٹک کے ساتھ نکلتی رہی تھی۔ اگر شین گن اس کے ہاتھ میں ہوتی تو مجھے دوسری

رات گزرتی گئی۔

آسمان پر سات ستاروں کا مجموعہ مرآہستہ اُست مغبی اُتی کی جانب جھٹکا چلا گیا۔ میری سبے جتنی میں اضافہ ہوا تا گیا۔ جب آسمان پر پچھلے پر کا نور جھٹکے لگا تو میں ایس ہو کر اچھ کھڑا ہوا۔ ضرور کوئی مشکل پڑ گئی ہوگی سینہ حیا کو۔ میں نے سوچا۔ ورنہ وہ جیل کو لے کر اب تک پہنچ گئی ہوتی۔ میں تھوڑی دیر کھینا میں آکر بغیرا۔ پھر سبے جین ہو کر باہر آکر چہوتے پر ٹھٹے لگا۔ صبح کا اجالا نمودار ہونا شروع ہو گیا۔ صنادے کے آشرم کی عمارتوں کے کھڑکھٹنے و رختوں کے پیچھے پچھلے پر کے دھندلوں میں چپے ہوئے تھے۔ مجھے صرف سامنے والی عمارتوں کے کھڑکھٹ کچھ فاصلے پر نظر آ رہے تھے۔ جیسے جیسے صبح کی سپیدی پھیل رہی تھی میری پریشانی بدلتی جا رہی تھی۔ صبح ہوتے ہی ان لوگوں کو میرے فرار اور مزید دو اسپروں کے قتل کا علم ہو جاتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی صنادے کے سپروں کے فوجی دینے مجھے ہانک کرنے کے لیے نکلے، اسے تھے۔ میرے لیے اس علاقے میں زیادہ دیر رکنا کسی صورت میں بھی مناسب نہیں تھا۔ کچھ مجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہاں سے نکلنے کو بھی دل نہیں چاہ رہا تھا۔ میں مزید کچھ دیر صنادے کے کھڑکھٹا جاتا تھا اور وہاں ٹھہر بھی نہیں سکتا تھا۔ جب دن کی روشنی ذرا زیادہ ہوئی تو ایک سیطان صنادے کے آشرم کی طرف سے کارنگ کے سامنے آئے۔ یہ سیطان کس کے دست تھے جو ایک ساتھ فاز ہوئے تھے۔ اس کے ساتھ ہی امیوں کے ایک دوسرے کو آواز دینے اور ہر صنادے کے نوٹے کو جتنے لگے۔

مادیوں کو میرے فرار اور اپنے دو آدمیوں کی ہلاکت کا پتہ چل گیا تھا اور اس کی فوج کے آدمی میری تلاش میں نکل پڑے تھے۔ میں نے چوتھے پے سے چھلانگ لگائی اور مشرق کی طرف خونی جنگل کے درختوں کی طرف دوڑنے لگا۔ میں دوڑتے دوڑتے پلیٹ کر پیچھے بھی دیکھ لیتا تھا۔ خدا جانے ان لوگوں کو کیسے پتہ چل گیا کہ میں اس طرف ہوں کیونکہ ہر ہر مادیوں کے نعروں اور کسی کسی وقت شین گن کی فائرنگ کی آوازیں میرے قریب آتی جا رہی تھیں۔ میدان سے نکل کر میں کئی خونی جنگل میں داخل ہوا ہی تھا کہ

اچانک جھٹکا چلا تا یسٹہ جیٹا ایک بن مانس میرے سامنے آگیا اور دانت نکال کر اس نے مجھ پر حملہ کر دیا۔ میں نے شین گن ہیڈ می کی اور بکے بعد دیگرے دو برسٹ فائر کر کے اسے چھلنی کر دیا۔ بن مانس خوفناک آوازیں نکالنے لپے کر پڑا۔ میں فائر کے دھماکے نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن بن مانس سے جان بچانے کے لیے یہ ضروری ہو گیا تھا۔ فائرنگ کے دو لاکھوں نے میری نٹان دی کر دی تھی۔ اس کے بعد مہاراجہ کے آدمیوں کے نعروں کی آوازیں زیادہ جوش سے بلند ہوتے گئیں۔ یہاں جنگل جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں بہت گھنا شروع ہو گیا تھا۔ درخت بالکل ساتھ ساتھ کھڑے تھے۔ ان پر جھاڑیاں چڑھی ہوئی تھیں۔ ان میں آدم خور جھاڑیاں اور درخت بھی تھے لیکن میرے جسم کی بو کی وجہ سے یہ خونی جھاڑیاں جنگل جیسا میرے وقت میں آتی تھیں فوراً سمت جاتی تھیں یا درخت اپنی ٹوٹی شاخوں کو اوپر کھینچ لیتے تھے۔

میرے پیچھے ہارنگ کی آوازیں آئے تھیں۔

پھر گولیاں میرے سر کے اوپر سے اور دائیں بائیں درختوں کی شاخوں کو لپکتی ہوئی پیشین بھائی گزرنے لگیں۔ وہاں درختوں کے پتے اتنے قریب قریب تھے کہ مجھے کوئی گولی نہیں لگ رہی تھی۔ میں درختوں کے تنوں کے بیچ میں سے تیزی سے گزر رہا تھا۔ میں میں دوڑ نہیں سکتا تھا۔ دوڑنے کی جگہ ہی نہیں تھی۔ دن کی روشنی درختوں کے اوپر سے جھانک رہی تھی۔ وہ درختوں کے درمیان بلکا اندھیرا تھا۔ میں بائیں کی طرف بچھڑا اور چلا آئیں گا تا چلا جا رہا تھا۔ میں پانی کے کنڈے کے قریب سے بھی گزر گیا۔ یہ وہ کنڈے تھا جہاں پچھلی رات حمر کے وقت جو گن یاد دہی نے ضرور میرا انتظار کیا ہو گا۔ وہ بقیہ۔ خونی جنگل اور شیطان مہادیو کی اوپ گمری کی حدود سے نکل کر اپنے چو کھٹاؤں والی کنیا میں پہنچ چکی ہوگی۔ مجھے اسی کے پاس جانا تھا۔ اگر میں اپنے پیچھے لگی ہوئی سپروں کی فوج کی اندھا دھند فائرنگ سے بچ گیا تو۔ یہ لوگ جنگل میں چاروں طرف شبن گن کے برست بارش کی طرح فائر کر رہے تھے۔ کئی سانپ مجھے دیکھ کر پھٹکارس مارے بھاگتے نظر آئے۔ میں مگر نیچوں کے کتاب بر آ گیا۔ کتاب کے کنارے جیسے سات مگر مجھ لینے

رک کر پیچھے خونی جنگل کے درختوں کو دیکھا۔ فائزنگ کے دھماکے بالکل سنائی نہیں دے رہے تھے۔ مہادیو کے سپیروں کو معلوم ہو گیا تھا کہ میں فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا ہوں اور ان کی سرحد سے نکل چکا ہوں۔ یہاں وہ اس لیے بھی میرے پیچھے آکر فائزنگ نہیں کھول سکتے تھے کہ جہاں میں تھا وہاں بھارتی پولیس کی عمل درآمد تھی اور یہاں آکر فائزنگ کرنے سے پولیس خبردار ہو کر ان کے تعاقب میں آہوپ مگر تک پہنچ سکتی تھی۔ شاید اسی وجہ سے بھول جوں میں ملا دیوی انہیں مہادیو کا حکم تھا کہ خونی جنگل کی سرحد کے پار چو کھمبا گاؤں کی طرف ہرگز فائزنگ نہیں کرے گا میں نے گاؤں کے مکانوں کو غور سے دیکھا۔

ایک دو گھنٹوں میں کسان ہل چلا رہے تھے۔ مجھے نو گن ملا دیوی کی کنیا کی تلاش تھی۔ مجھے پورا اندازہ نہیں تھا کہ میں خونی جنگل کے کس جانب سے باہر نکلا ہوں۔ میں ایک گھنٹہ کی مسافت پر چڑھ گیا۔ میرا سانس بھول گیا تھا۔ میں سانس درست کرتے ہوئے گاؤں کے مکانوں کا جائزہ لینے لگا۔ گاؤں کا یہ وہ چلا تھا جہاں سے میں جہانم سے روانہ ہونے کے بعد آیا تھا۔ جب میرا سانس معمول کے مطابق ہو گیا تو میں اٹھا اور کھیتوں میں سے ہو کر گاؤں کی کمری جانب پہلے لگا۔ دوسری جانب سے ہو کر میں نے گاؤں کا چکر پورا کیا تو میں نے سامنے پہلے ہوئے سوکھی بھاللیوں والے میدان کو پہچان لیا۔ اسی میدان میں سے گزر کر میں پہلی بار جوں میں ملا دیوی کی کنیا میں آیا تھا جو ایک مڑھی میں واقع تھی اور جس طرف گاؤں کے لوگ مارے کے مارے نہیں آتے تھے اور کبھی بالائی بھی نہیں کرتے تھے۔ اسی وجہ سے یہ میدان دیران پڑا تھا۔

دور سے مجھے وہ چوترا نظر پڑا جس پر جو گن کی کنیا تھی۔ میں تیز چلنے لگا۔ یہ آہیں مڑھی تھی اور اس کے بارے میں بڑی ڈرامائی کہانیاں مشہور تھیں۔ قریب پہنچ کر میں نے دیکھا کہ کنیا کے باہر چوترا دیران پڑا تھا۔ باہر چوٹا بنا ہوا تھا وہ بھی ٹھنڈا پڑ چکا تھا۔ کنیا بھی خالی تھی۔ مٹی کی مٹکی کنیا کے باہر اسی طرح رکھی ہوئی تھی۔ کنیا پائس کی تھی جس کے باہر پائس کے ساتھ بھی ہوئی لائین لگی تھی۔ جو گن کا سترہ دینے ہی لگا ہوا تھا۔ ہرن کی چھال بھی جمی ہوئی تھی۔ پتلی کی دو کوریاں رکھی تھیں۔ مگر جو گن ملا دیوی کیسں نظر نہیں آ رہی تھی۔ مجھے اس کی مدد کی اشد ضرورت تھی۔ میں اپنی بیوی کو خونی جنگل

ہوئے تھے۔ میری ہوا کر وہ ہڑبلا کر کتاب میں چلا گئیں لگا گئے۔

جنگل اب زیادہ گھٹا نہیں رہا تھا۔ میں نے دوڑنا شروع کر دیا۔ یہاں آکر میں نے بھی پلٹ کر دو تین بار شین گن کے برست فائر کیے۔ مگر ان کا کوئی فائدہ نہیں تھا کیونکہ وہاں مجھے کوئی دشمن کا آدمی نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں ایک دلدل میں گرتے گرتے پہاڑ آکر مجھے جو گن ملا دیوی نے دلدلوں کی شناخت نہ کرادی ہوئی تو میں دلدل میں گر چکا تھا اور دلدل نے مجھے فوراً نکل لیا تھا۔ آخر مجھے دور درختوں کے تنوں میں سے دن کی روشنی دکھائی دینے لگی۔ یہ آہوپ مگر کے خونی جنگل کی سرحد کے آخری درخت تھی۔ یہ مہادیو کی شیطانی سلاطت کی سرحد تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ مہادیو کے فوجی سپرے اس سرحد سے آگے نہیں آئیں گے۔ میں نے دوڑنے کی رفتار تیز کر دی۔ میرے پیچھے فائزنگ کے دھماکے بھی شدید اختیار کر گئے تھے۔ خدا جانے ان لوگوں کے پاس اس دیران جگہ پر اتنا اسلحہ کہاں سے آیا تھا۔ وہ اپنے دو بیٹے میں گن کا اسلحہ بٹوک رہے تھے۔

”اپنی فوجی تربیت کی وجہ سے مجھے معلوم تھا کہ دشمن کی فائزنگ سے کس طرح اپنے آپ کو بچایا جاتا ہے۔ میں بالکل سیدھ میں نہیں دوڑ رہا تھا۔ دوڑتے دوڑتے کبھی دائیں ہو جاتا کبھی بائیں ہو جاتا اور کبھی جگہ جگہ میں جہر تیرے قدم پر کسی نہ کسی درخت کی لٹ سے گر چھوڑا بالکل درست کی سیدھ میں دوڑنا چلا جاتا تھا۔ جب احساس ہوتا کہ درخت مجھے گور نہیں دے رہا تو فوراً جھٹک کر کسی دوسرے درخت کی طرف دوڑنا شروع کر دیتا۔ اسی طرح دوڑتے دوڑتے میں ان درختوں کے درمیان سے نکل گیا جو مہادیو کی سلاطت آہوپ مگر کی سرحد کے آخری درخت تھے۔ میرے سامنے اب گھاس کا کھلا میدان تھا۔ جہاں دھوپ پھیلی ہوئی تھی اور روشنی ہی روشنی تھی۔ اس میدان میں آتے ہی میں نے اپنی رفتار مزید تیز کر دی۔ میرے پیچھے جو فائزنگ ہو رہی تھی۔ اب وہ مجھ سے کافی دور رہ گئی تھی۔ ایک جگہ گھاس کٹاں اونچی تھی۔ میں اس میں گھس گیا۔ جب گھاس کے اندر ہی اندر تیز چلنے پھرنے ہوئے وہاں سے باہر نکلا تو میرے سامنے ہرے ہرے کیت ہی کیت تھے۔ میں چو کھمبا گاؤں کے گرد و نواح کے کھیتوں میں پہنچ گیا تھا۔ میں نے

والی آویں ہر کی شیطانی ہستی میں چھوڑ کر نہیں جاسکتا تھا۔ مجھے اپنی بیوی کو واپس لانے کے لیے مواد کے شیطانی آشرم پر ایک بار پھر حملہ کرنا تھا اور یہ کام میں جو گن ملا دیوی کی مدد کے بغیر نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے کیا کے پاس کے دروازے کے پاس بیٹھ گیا۔ مٹکی میں سے پانی نکال کر پیا اور جو گن کا انتظار کرنے لگا۔ میرے جسم پر جو گنوں والی صرف ایک ہی دھوٹی تھی جس کا ایک پلو میں نے اپنے جسم کے اوپر ڈال رکھا تھا۔ سارا رست کھیتوں میں سے گزرتے وقت میں نے سین گن کو دھوٹی کے پلو میں چھپائے رکھا تھا۔

میں نے سین گن کے میگزین کو چیک کیا۔ اس میں صرف ایک رائف بائی باقی رہا تھا۔ یہ مواد کے آشرم پر دوسری بار شب خون مارنے وقت میرے کام آسکتا تھا۔ مگر ایک رائف باقی تھا۔ میں چاہتا تھا کہ مواد کے آشرم کے سپروں کی فرج کے پاس کافی اسلحہ موجود ہے۔ اب میں وہاں برہمن کے اسلحے سے لیس ہو کر جانا چاہتا تھا۔ لیکن ہر قسم کا اسلحہ مجھے وہاں کون لاکر دے سکتا تھا۔ جو گن ملا دیوی یہ کام نہیں کر سکتی تھی۔ بہر حال ایک بات بے شک تھی کہ مجھے وہاں کوئی فنی جنگل میں داخل ہو کر مواد کے شیطانی آشرم پر بمبار کرنا پڑے گا۔ ایک کرنا ہے اور وہاں سے اپنی بیوی کو نکال کر لانا ہے اور ان لوگوں سے اپنی بیوی کی بے عزتی کا انتقام بھی لینا ہے۔ میرے ہاتھ میں فرسٹ میں دھنسا سپرما جو میری بیوی کو دلی دالے کو رائے سے اتار کر کے لے گیا تھا اور شیطان صفت مواد سر فرسٹ تھے۔ مجھے صرف ایک ہت کاغذ تھا کہ اس دوران کہیں وہ لوگ میری بیوی پر دوا چھ مہر ہو تک کر اس کی یادداشت کم نہ کر دیں۔

مجھے بھوک لگ رہی تھی جو گن ملا دیوی کا انتظار کرتے کرتے کافی دن نکل آیا تھا۔ میں نے اپنی سین گن کیا کے اندر کوٹے میں چھپا دی۔ ایک مٹی کے سٹکے میں سے مجھے چاولوں اور دال کی پوٹیاں مل گئیں۔ میں نے باہر آکر چولے میں ادھر ادھر سے درختوں کی شاخیں اکٹھی کر کے آگ جلائی۔ چاولوں اور دال کو دھو کر چٹائی میں ڈال کر اسے چولے پر چڑھا دیا۔ تھوڑی دیر میں پھینکی کھجڑی تیار ہو گئی۔ تک مجھے وہاں کہیں نہیں ملا تھا۔ میں نے خوب میر ہو کر کھجڑی کھائی اور کیا کے اندر جا کر جو گن کے مسٹر لیٹ گیا۔ ساری رات کا جاگ تھا اور دو دو دو ذکر تھک چکا تھا۔ ایسی گری خند سویا کہ جب آنکھ کھلی تو

شام کا اندھیرا پھیل رہا تھا۔ کیا سے باہر آکر میں نے چاروں طرف دیکھا۔ دور چوکھا گاؤں کے مکانوں میں روشنیں ٹھکانے لگی تھیں۔ خونی جنگل کی طرف نگاہ اٹھائی خونی جنگل کی سرحد کے اونچے اونچے سیاہ درخت شام کے اندھیرے میں تاریک کول کے ستونوں کی طرح سیاہ اور ڈراؤنے لگ رہے تھے۔ اپنی بیوی جیلہ کا خیال کر کے میری آنکھیں بھینگ گئیں۔ پھر غصے میں دانت پیستے ہوئے میں کیا کے باہر چلے کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ تھوڑی سی کھجڑی چٹائی میں سے نکال کر کھائی پانی پیا اور وہیں کھلی ہوا میں بیٹھ کر جو گن کا انتظار کرنے لگا۔ خدا جانے وہ کہاں مقاب ہو گئی تھی۔

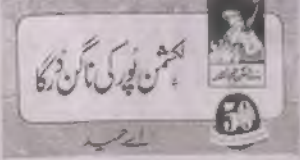
کسی وقت خیال آتا کہ شاید وہ ابھی تک خونی جنگل میں ہی میرا انتظار کر رہی ہو۔ کسی وقت خیال آتا کہ کہیں اسے مواد کے فنی سپروں نے نہ پکڑ لیا ہو۔ میں نے کیا کے باہر نکلے ہوئی لائین کو بھی نہیں ہلایا تھا۔ میں گاؤں میں بھی جو گن کو دیکھنے نہیں گیا تھا۔ میں اس خطرے کو بھی فراموش نہیں کر سکتا تھا کہ بھارت کی پولیس اور ملٹری انٹیلی جنس میری تلاش میں ہے۔ اگر میں ان کے ساتھ چھڑکنا تو میری بیوی کی تلاش کا سارا معاملہ جھج میں ہی رہ جائے گا اور کوئی بچہ نہیں انٹرنیشنل پولیس والے مجھے یہاں سے اٹھا کر کسی شہر کی طرف لے جاتے ہیں اور میرا کیا شہر کرتے ہیں۔ بھارتی پولیس اور ملٹری انٹیلی جنس کو یقین تھا کہ میں یا کتنی فنی کا مطلوب ہو چکی ہوں اور وہ ہر حالت میں مجھے پکڑنا چاہتے تھے۔ چھ مہر کے جسم کی بو کی وجہ سے مجھے کیا کے اندر یا باہر بالکل تنگ نہیں کرتے تھے۔ رات بیکٹل چلی گئی تھی۔ چاروں طرف موت ایسی خاموشی چھا گئی۔ گاؤں کی طرف سے کسی گتے کے بھونکنے کی آواز بھی نہیں آ رہی تھی۔ دیے بھی گاؤں جو گن کی کیا سے کافی دور تھا۔ شاید کتے بھی آجی مڑی سے ڈر کر اس طرف کا رخ نہیں کرتے تھے۔ جو گن نے مجھے وہاں ایک مڑی دکھائی تھی جو اس کی کیا سے چند قدم کے فاصلے پر ایک لمبے چوترے کی شکل میں تھی۔ اس کے درمیان اینٹوں کا ایک پرانا طاق سا بنا ہوا تھا۔ جو گن نے کہا تھا کہ لوگ کہتے ہیں یہاں آدمی رات کو بھی کبھی گناہ گار حوروں کی عذاب میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ میں نے کوئی خیال نہ کیا۔

جب کیا کے باہر بیٹھے بیٹھے تھک گیا اور مجھے محسوس ہونے لگا کہ جو گن ملا دیوی

رات کو نہیں آئے گی۔ اگر اسے آتا تو دن کی روشنی میں آجاتی۔ ممکن تھا کہ وہ خونی جنگل میں ہی کسی جگہ چھپ کر میرے انتظار میں ہو یا میرا کھوج لگانے کے لیے اپنی سبیلی سبز حیاتے رابطہ پیدا کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔ میں بیٹھے بیٹھے تھک گیا تو اٹھ کر کھانا کے اندر آگیا۔ چونکہ مجھے پھروں اور دوسرے حشرات الارض کی کوئی فکر نہیں تھی اس لیے میں اندھیرے میں ہی جو کچھ ملایا وہی کے بستر پر جمو پٹری کی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اور جیلہ کے پارے میں سوچنے لگا کہ نہ جانے وہ کس حالت میں ہوگی۔ اب تو اس کی یادداشت بھی واپس آگئی تھی۔ اسے احساس ہو گیا ہے کہ وہ میری بیوی ہے اور اسے سیرا انوار کے لیے کیا تھا۔ اسی سوچ نے جیلہ کی ذہنی لذت میں اضافہ کر دیا ہو گا۔ جب تک اس کی یادداشت متزلزل کے اثر کی وجہ سے غائب تھی وہ شاید اطمینان کی حالت میں تھی اور اپنے آپ کو انشراح کی ایک نرنگی ہی سمجھ رہی تھی لیکن اب یہ سوچ کر اس پر قیامت گزر رہی ہوگی کہ وہ ان گزشتوں میں سے نہیں ہے اور اسے انوار کے وہاں لایا گیا ہے اور یہ بھی کہ اس کا ظہور یعنی میں اس کی تلاش میں وہاں تک پہنچ چکا ہوں۔ وہ میرے بارے میں بھی شریط پریشان ہوگی۔ سیرا حیاتے نے اسے بتا دیا تھا کہ میں اس کو وہاں سے لگائے کھینچا گیا ہوں اور مجھے پڑا لیا گیا ہے اور انوار اس کی رات کو مجھے موت کے حوالے کر دیا جائے گا۔ اگرچہ انہیں بھی میرے فرار کا علم ہو گیا ہو گا لیکن جیلہ اس لیے بھی ذہنی پریشانی میں مبتلا ہوئی کہ میں فرار ہو کر کھل گیا ہوں۔ پیرے فرقی میرے پیچھے لگے ہیں۔ کہیں انہوں نے مجھے مار نہ ڈالا ہو۔ یہ بات مجھے بھی پریشان کر رہی تھی کہ آخر کل رات کو میں اندھیرا میری بیوی کو لے کر اپنی کلیا میں کیوں نہیں پہنچی تھی۔

میں کاٹھ سوچتے سوچتے مجھ پر غنودگی سی طاری ہوئے لگی۔ کلیا میں گھپ اندھیرا تھا۔ میں نے جان بوجھ کر کلیا کے باہر والی لالین روشن نہیں کی تھی۔ شین گن میں نے کوئے سے اٹھا کر اپنے پاس ہی رکھ لی تھی۔ اس خیال سے کہ اگر شیطانی سادھ کے انشراح کا کوئی سیرافوی رات کو جاموسی کرنا میری تلاش میں وہاں نکل آیا تو میں اس کو تھکانے لگا سکوں گا۔ میں ادھمکے لگا۔ پھر مجھے کچھ ہوش نہ رہا۔ میں کہری نیند میں کھو چکا تھا۔ ایک عجیب سا خواب دیکھنے لگا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک پہاڑی کی چوٹی پر میری بیوی جیلہ میری طرف

اس کے بعد کیا ہوا اس کا سنسنی خیز حوالہ آپ "بت شکن جیلہ" کے حصہ دوم



میں پڑھیے۔